معہ حاشیہ

ایضاح البیان

متن

حکیم الامۃ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

حاشیہ

شیخ القراء حضرت مولانا قاری محمد شریف نور اللہ مرقدہ
بانی مدرسہ دار القراء لاہور پاکستان

مکتبۃ القراءۃ لاہور

متن
حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

حاشیہ
شیخ القراء حضرت قاری محمد شریف نور اللہ مرقدہ

ناشر
www.KitaboSunnat.com
مکتبۃ القراءۃ
B-143 ماڈل ٹاؤن لاہور
فون نمبر 042-5853171

ڈسٹری بیوٹر / ملنے کا پتہ
المصباح / بک لینڈ
16- اردو بازار، لاہور۔ فون نمبر 042-7223210
سٹی پلازا، کالج روڈ، راولپنڈی۔ فون نمبر 051-5773341

مکتبۃ القراءۃ لاہور

آسان
تجوید
سیکھنے کیلئے ایک
انتہائی آسان اور خوبصورت کتاب

تالیف
شیخ القراء حضرت قاری محمد شریف [illegible]

زینۃ القرآن

زینت القرآن: بچوں اور بچیوں کیلئے خاص طور پر لکھی گئی علم تجوید سیکھنے کیلئے چھتیس (۳۶) سبقوں پر مشتمل سادہ زبان میں عام فہم اور نہایت ہی آسان کتاب ہے۔ نیز زینت القرآن میں تجوید کے اسباق کے ساتھ ساتھ قرآن عظیم کی مختصر تاریخ، فضائلِ قرآن مجید، تلاوتِ قرآن کریم کے آداب، قرآن شریف کی محفوظیت اور وقف کے اسباق بھی ہیں۔

Re.29102007

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

از محشی

بسم اللہ الرحمن الرحیم نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ. اَمَّا بَعْدُ:- رسالہ جمال القرآن مصنفہ حکیم الامّت حضرت مولنا شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کو علمِ تجوید میں جو مقبولیت اور شہرت حاصل ہے، وہ محتاجِ بیان نہیں۔ سالہا سال سے یہ رسالہ پاک وہند کے مدارسِ تجویدیہ نیز مدارسِ عربیہ کے شعبہ ہائے تجوید میں داخلِ نصاب چلا آرہا ہے۔ جس کی سب سے بڑی وجہ مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ کا خلوص اور ان کا علمی مقام ہے اور پھر اس کتاب کی زبان کا عام فہم اور آسان ہونا، یہ دوسری وجہ ہے کتاب کی مقبولیت کی، لیکن پھر بھی اس میں کچھ مضامین ایسے تھے جو قابلِ وضاحت اور تشریح طلب سمجھے گئے، اس لئے اصحابِ علم نے اس پر متعدد حواشی لکھے، جو بہت ہی مفید اور مشعلِ راہ ثابت ہوئے، لیکن اہلِ بصیرت پر یہ حقیقت مخفی نہیں کہ زمانہ جتنا آگے کی طرف بڑھتا جارہا ہے اتنی ہی سمجھنے سمجھانے کی صلاحیت کم اور علمی استعداد ختم ہوتی جارہی ہے، اسلئے ضرورت محسوس کی گئی کہ پیشِ نظر رسالہ پر ایک نیا حاشیہ لکھا جائے، جو آسان بھی ہو اور مفصل بھی تاکہ دورِ حاضر کے متعلمین اور ابتدائی معلمین اس سے استفادہ کر کے رسالہ ہذا کے مضامین کو کماحقہٗ سمجھ سمجھا سکیں۔ یہی مقصد ہے اس کوشش کا اور بس۔ اس بات کی پوری پوری کوشش کی گئی ہے کہ حاشیہ کے مضامین عام فہم اور سلیس عبارت میں بیان ہوں اور اس بات کو بھی پیشِ نظر رکھا گیا ہے کہ متن میں کوئی جگہ ایسی نہ رہ جائے جس کی وضاحت

کرنا ضروری ہو اور نہ کی جائے۔ اسی مناسبت سے اس حاشیہ کا نام "ایضاح البیان" تجویز کیا گیا ہے، اور اس بات کا بھی خیال رکھا گیا ہے کہ رسالہ جمال القرآن عام طور پر سب سے پہلے پڑھایا جاتا ہے اس لئے حاشیہ میں زیادہ تر متنِ کتاب کو ہی حل کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور فن سے متعلقہ مشکل مباحث کو حتّی الامکان نہیں چھیڑا گیا۔ حق تعالیٰ شانہٗ اپنے لطف وکرم سے اس کوشش کو قبول فرما کر طالبینِ فن کے لئے نافع اور محشّی کے لئے توشۂ آخرت بنائے۔ وَاللّٰهُ الْمُوَفِّقُ وَالْمُعِيْنُ

نوٹ: جس طرح مؤلف رحمہ اللہ تعالیٰ نے متن کے مضامین کو لمعات میں تقسیم فرمایا ہے اسی طرح حاشیہ میں بھی لمعات قائم کر دیئے گئے ہیں، اور ناظرین کی سہولت کی خاطر حاشیہ میں نمبر بھی لمعات ہی کے اعتبار سے لگائے گئے ہیں صفحات کے اعتبار سے نہیں۔

شکریہ معاونین: میں اس موقع پر ان احباب اور مخلصین کا شکریہ ادا کرنا بھی ضروری سمجھتا ہوں جنہوں نے اس حاشیہ کی تالیف کے وقت کسی حیثیت سے بھی میری مدد کی یا اس کی طباعت کے لئے کوشش کی:۔ حافظ محمد یار سرگودھوی، حافظ مولوی عبد اللطیف ملتانی، قاری محمد تقی الاسلام لاہوری، مولوی حمید الرحمٰن ہزاروی، حافظ مولوی محمد یوسف ملتانی اور قاری سراج احمد خان پوری، یہ سب دلی شکریہ کے مستحق ہیں کہ انہوں نے نہایت خلوص اور بڑی محنت کیساتھ کتابتِ مسوّدہ کی خدمت انجام دی۔ فَجَزَاهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ الْجَزَآءِ

العبد الضعیف ابو الاشرف محمد شریف

خادم مدرّس دار القراء بی بلاک ماڈل ٹاؤن لاہور

ایک ضروری گزارش: اصحابِ فضل وکمال سے گزارش ہے کہ ان حواشی میں اگر کہیں کوئی غلطی یا تسامح ملاحظہ ہو تو خیر خواہی اور شفقت علی الطلبہ کے جذبہ سے محشّی (اور اب ناشر) کو آگاہ فرمائیں تاکہ آئندہ اشاعت میں اس کی اصلاح کی جاسکے۔

دیباچہ از مؤلف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم بَعْدَ الْحَمْدِ وَالصَّلٰوۃِ: یہ چند اوراق ہیں ضروریاتِ تجوید میں مسمّٰی بہ جمال القرآن[1] اور اس کے مضامین کو مُلقّب بہ لمعات[2] کیا جاوے گا۔ محبی مکرمی مولوی حکیم محمد یوسف صاحب مہتمم مدرسہ قدوسیہ گنگوہ کی فرمائش پر کتبِ معتبرہ سے خصوصاً رسالہ ہدیۃ الوحید مؤلفہ قاری مولوی عبد الوحید صاحب مدرسِ اول درجہ قراءت مدرسہ عالیہ دیوبند سے مُلتقط کر کے بہت آسان عبارت میں جس کو مبتدی بھی سمجھ لیں لکھا گیا ہے اور کہیں کہیں قراءت کے دوسرے رسالوں سے بھی کچھ لکھا گیا ہے وہاں ان رسالوں کا نام لکھ دیا ہے اور کہیں اپنی یادداشت سے کچھ لکھا ہے وہاں کوئی نشان بنانے کی ضرورت نہیں سمجھی گئی پس جہاں کسی کتاب کا نام نہ ہو وہ یا تو ہدیۃ الوحید کا مضمون ہے (اگر اس میں موجود ہو) ورنہ احقر کا مضمون ہے۔ وَبِاللّٰہِ التَّوْفِیْقُ وَھُوَ خَیْرُ الرَّفِیْقُ

کتبہ: اشرف علی تھانوی امدادی حنفی چشتی عفی عنہ

[1] کتاب کا نام نہایت موزوں اور موضوع کے عین مطابق ہے، کیونکہ جمال کے معنیٰ حسن کے آتے ہیں اور تجوید تلاوت قرآن کا حسن ہے۔ جیسا کہ علامہ جزری ؒ نے اپنے مشہور رسالہ مقدمۃ الجزریہ میں فرمایا ہے:۔ "اور وہ (تجوید) تلاوت کا زیور اور ادا اور قراءۃ کی زینت بھی ہے"۔ ۱۲

[2] ایسے ہی مضامین کو ابواب یا فصول کی بجائے لمعات سے مُلقّب کرنا بھی نہایت موزوں اور عمدہ تعبیر ہے، اور اس میں کتاب کے نام کے ساتھ بھی مناسبت پائی جاتی ہے، کیونکہ لمعات، لمعہ کی جمع ہے اور لمعہ کے معنیٰ چمک اور روشنی کے آتے ہیں۔ کہا جاتا ہے: لَمَعَ الْبَرْقُ (بجلی چمکی) پس چمک اور حسن میں ایک مناسبت پائی جاتی ہے۔ نیز اس لقب کے تجویز کرنے میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جس طرح روشنی اور چمک میں انسان راستہ معلوم کر لیتا ہے، اسی طرح ایک لمعہ پڑھ لینے کے بعد علم تجوید کی راہ کا ایک حصہ اس پر ظاہر

مشورۂ مفیدہ: اول اس رسالہ کو خوب سمجھا کر پڑھاویں اور ہر شے کی تعریف اور مخارج وصفات وغیرہ خوب یاد کراویں، اسکے بعد رسالہ تجوید القرآن نظم حفظ کرا دیا جاوے اور اگر فرصت کم ہو تو رسالہ حق القرآن[۳] کو یاد کرایا جاوے فقط۔ (کتبہٗ اشرف علی عفی عنہ)

پہلا لمعہ[۱]

تجوید[۲] کہتے ہیں ہر حرف کو اسکے مخرج سے نکالنا اور اسکی صفات کو ادا کرنا اور اس علم کی حقیقت اسی قدر[۳] ہے۔ مخارج اور صفات آگے آویں گے، چوتھے اور پانچویں لمعہ میں۔

اور روشن ہو جاتا ہے۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ

[۳] حق القرآن اور تجوید القرآن یہ دونوں رسالے بھی حضرت مصنف رحمہ اللہ ہی کے ہیں اور دونوں منظوم ہیں۔ ۱۲

حواشی لمعہ اول

[۱] اس لمعہ میں مصنف رحمہ اللہ نے تجوید کی تعریف اور اسکی حقیقت بیان فرمائی ہے اور قاعدہ بھی یہی ہے کہ کسی علم وفن کے شروع کرنے سے پہلے اسکی تعریف معلوم کر لی جائے اور گو تعریف کے علاوہ اس علم کا موضوع، اس کی غرض وغایت اور اس کا فائدہ، یہ چیزیں بھی شروع ہی میں معلوم کر لینے کی ہیں، مگر مصنف رحمہ اللہ نے اختصار کے پیش نظر فقط تعریف پر ہی اکتفا کیا ہے۔ آئندہ حاشیہ میں یہ چیزیں بھی انشاء اللہ اختصار کے ساتھ بیان کر دی جائیں گی۔

[۲] پس تجوید کے دو جز ہیں:۔ پہلا جز مخارج الحروف اور دوسرا صفات الحروف، جیسا کہ متن سے ظاہر ہے۔ مخرج اور صفت کے معنیٰ آئندہ اپنے اپنے موقعہ پر آجائیں گے۔ ✽ موضوع اس علم کا: حروفِ تہجی ✽ غایت: تصحیح حروف ✽ اور فائدہ: حصولِ رضائے مولیٰ ہے۔ ۱۲

[۳] مقصد یہ ہے کہ تجوید کے اجزا بس یہی دو ہیں، رہا لہجہ؟ سو وہ تجوید کا جز نہیں گو مستحب

دوسرا لمعہ[۱]

تجوید کے خلاف[۲] قرآن پڑھنا یا غلط پڑھنا یا بے قاعدہ پڑھنا لحن[۳] کہلاتا ہے، اور یہ دو قسم پر ہے۔ ایک یہ کہ:۔

(۱) ایک حرف کی جگہ دوسرا حرف پڑھ دیا، جیسے اَلْحَمْدُ کی جگہ اَلْهَمْدُ پڑھ دیا، یا

اور مستحسن ہے بشرطیکہ لہجہ کی وجہ سے قواعد تجوید نہ بگڑیں، ورنہ مکروہ یا حرام ہے۔ تفصیل بڑی کتابوں میں دیکھو۔ پس مطلب یہ ہوا کہ اگر ایک شخص قرآن مجید کو قواعد تجوید کے موافق یعنی صحیح تو پڑھتا ہے مگر لہجہ نہیں بنا سکتا تو وہ مجود کہلانے کا حقدار ہے، اور اسکے برعکس اگر کوئی شخص لہجہ تو خوب جانتا ہے مگر قرآن مجید کی تلاوت تجوید کے موافق نہیں کرتا تو اس کو مجود کہنا کسی طرح صحیح نہیں۔ ۱۲

حواشی لمعہ دوم

[۱] پہلے لمعہ میں تجوید کی تعریف اور اسکی حقیقت وغیرہ بیان کرنے کے بعد اب اس لمعہ میں مصنف رحمۃ اللہ علیہ غلطیوں کی انواع اور ان کی قسمیں بیان فرمارہے ہیں، چونکہ علم تجوید کا مقصد ہی قرآن مجید کو غلط پڑھنے سے بچنا ہے، اس لئے مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے اس لمعہ میں وہ تمام صورتیں بیان فرمادی ہیں جو تجوید کے خلاف یعنی غلط پڑھنے سے پیدا ہوتی ہیں۔ ۱۲

[۲] تجوید کے خلاف پڑھنا، یا بے قاعدہ پڑھنا، یا غلط پڑھنا، ان تینوں کا مطلب ایک ہی ہے۔ بے قاعدگی غلطی ہے اور غلطی بے قاعدگی، اور یہی مطلب ہے تجوید کے خلاف پڑھنے کا بھی۔ ۱۲

[۳] لحن کا اطلاق ہر قسم کی غلطی پر ہوتا ہے، خواہ بھاری ہو یا ہلکی۔ البتہ بعد میں اس کی تقسیم ضروری ہے، جیسا کہ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کی ہے۔ پس بھاری غلطی کو "لحنِ جلی" اور ہلکی غلطی کو "لحنِ خفی" کہتے ہیں۔ پھر لحنِ جلی کا اطلاق چار قسم کی غلطیوں پر ہوتا ہے:۔

ث کی جگہ س پڑھ دیا، یا ح کی جگہ ھ پڑھ دی، یا ذ کی جگہ ز پڑھ دی، یا ص کی جگہ س پڑھ دیا، یا ض کی جگہ د یا ظ پڑھ دی، یا ظ کی جگہ ز پڑھ دی، یا ع کی جگہ ہمزہ پڑھ دیا۔ اور ایسی غلطیوں میں اچھے خاصے لکھے پڑھے[۴] لوگ بھی مبتلا ہیں۔

② یا کسی حرف کو بڑھا دیا جیسے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ میں دال کے پیش کو اور ھاء کے زیر کو اس طرح کھینچ کر پڑھا اَلْحَمْدُوْ لِلّٰهِیْ

③ یا کسی حرف کو گھٹا دیا جیسے لَمْ یُوْلَدْ میں واؤ کو ظاہر نہ کیا اور اسطرح پڑھا لَمْ یُلَدْ

④ یا زبر، زیر، پیش، جزم میں ایک کو دوسرے کی جگہ پڑھ دیا جیسے اِیَّاکَ کے کاف

---

① ایک حرف دوسرے حرف سے بدل جائے۔

② کوئی حرف زیادہ ہو جائے۔

③ کوئی حرف کم ہو جائے۔

④ حرکت وسکون میں غلطی ہو جائے، یعنی ایک حرکت کی بجائے دوسری حرکت یا حرکت کی بجائے سکون یا سکون کی بجائے حرکت ادا ہو جائے۔

یہ سب صورتیں اور ان کی مثالیں متن میں موجود ہیں۔ مسئلہ کے سمجھانے اور صورتوں کو واضح کرنے کی غرض سے متن میں نمبر لگا دیئے گئے ہیں۔ پس متن میں پہلے تو نمبر ایک تا چار کے ضمن میں لحنِ جلی کی چار صورتیں اور ان کی مثالیں بیان کی ہیں، پھر لحنِ جلی کا حکم بتایا ہے، پھر اسکے بعد لحنِ خفی کی تعریف اور اسکا حکم بیان کیا ہے۔ اس ترتیب کو ذہن میں رکھ کر متن کا مطالعہ کیا جائے تو انشاء اللہ مسئلہ سمجھ میں آجائے گا۔

[۴] یہاں "لکھے پڑھے" لوگوں سے مراد وہ لوگ ہیں جو عربی زبان سے واقف اور قرآن مجید کا ترجمہ جانتے ہیں، اور یہ حضرات باوجود علم رکھنے کے ان غلطیوں میں جو مبتلا ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ محض کسی لفظ کا معنیٰ اور اس کا مادہ جان لینے سے اس لفظ کی صحیح ادائیگی نہیں آجاتی، اس کے لئے تو کسی مجود قاری سے ہی مشق کرنی پڑتی ہے۔ ۱۲

کا زیر پڑھ دیا، یا اِھْدِنَا میں ھار سے پہلے اس طرح زبر پڑھ دیا اَھْدِنَا یا اَنْعَمْتَ کی میم پر اس طرح حرکت پڑھ دی اَنْعَمَتَ یا اور اسی طرح سے کچھ پڑھ دیا۔

ان غلطیوں[۵] کو لحنِ جلی کہتے ہیں اور یہ حرام[۶] ہے۔ (حقیقۃ التجوید) اور بعض جگہ اس سے معنیٰ بگڑ کر نماز[۷] بھی جاتی رہتی ہے۔

اور دوسری قسم یہ کہ ایسی غلطی تو نہیں کی، لیکن حرفوں کے حسین[۸] ہونے کے جو قاعدے مقرر ہیں ان کے خلاف پڑھا۔ جیسے رار پر جب زبر یا پیش ہوتا ہے اس کو پُر[۹] یعنی منہ بھر کر پڑھا جاتا ہے، جیسے اَلصِّرَاطَ کی رار جیسا کہ آٹھویں لمعہ میں آوے گا، مگر اس نے باریک پڑھ دیا، اس کو لحنِ خفی کہتے ہیں۔ یہ غلطی پہلی غلطی سے ہلکی[۱۰] ہے یعنی مکروہ ہے۔ (حقیقۃ التجوید) لیکن بچنا اس سے بھی ضروری[۱۱] ہے۔

---

[۵] یعنی جو اوپر نمبر ۱ تا ۴ کے ضمن میں بیان ہو چکی ہیں۔ ۱۲

[۶] کیونکہ ان غلطیوں سے لفظ و معنیٰ دونوں یا کم از کم لفظ تو ضرور ہی متاثر ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ ان کی مندرجہ بالا مثالوں سے ظاہر ہے۔

[۷] مگر ہر لحنِ جلی مفسد نماز نہیں، جیسا کہ لفظ بعض سے ظاہر ہوتا ہے، البتہ نماز میں فساد صرف لحنِ جلی سے ہی آتا ہے، لحنِ خفی سے نہیں آتا۔ فسادِ نماز کی صورتیں اور مثالیں فقہ کی کتابوں کے باب "زَلَّةُ الْقَارِي" میں دیکھی جا سکتی ہیں۔ ۱۲

[۸] اس قسم کے قاعدوں کو اہلِ فن کی اصطلاح میں "صفاتِ عارضہ" سے تعبیر کرتے ہیں۔ ۱۲

[۹] پس زبر اور پیش کی حالت میں رار کو پُر پڑھنا، یہ اس کی صفتِ عارضہ ہے اور حسین ہونے کے قاعدوں سے مراد اسی قسم کی صفات ہیں۔ آگے ان کا بیان مسلسل کئی لمعوں میں آرہا ہے۔ ۱۲

[۱۰] کیونکہ اس قسم کی غلطی سے نہ تو نماز ٹوٹتی ہے اور نہ ہی معنیٰ بدلتا ہے، صرف حرف کا حسن اور اس کی زینت جاتی رہتی ہے۔ ۱۲

[۱۱] اس لئے کہ اس قسم کی غلطیوں سے نہ بچنے کی صورت میں بھی تجوید ناقص رہتی ہے اور

ان سے بچنا بھی تجوید کا ایک حصہ ہے۔۱۲

فائدہ: مصنف رحمہ اللہ نے لمعہ کے شروع میں جو یہ فرمایا ہے کہ :۔"تجوید کے خلاف پڑھنا یا غلط پڑھنا یا بے قاعدہ پڑھنا لحن کہلاتا ہے"، تو ممکن ہے کہ تین لفظ لانے سے لحن کے انواع کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہو۔اس طرح کہ :۔

٭ اِبدال حرف بالحرف کی طرف "تجوید کے خلاف" پڑھنے سے۔

٭ حرف میں کمی بیشی ہو جانے ،ایک حرکت کے دوسری حرکت سے بدل جانے اور حرکت کے سکون سے اور سکون کے حرکت سے بدل جانے کی طرف "غلط" پڑھنے سے۔

٭ اور صفاتِ عارضہ کے ادا نہ ہونے کی طرف "بے قاعدہ" پڑھنے سے اشارہ کیا ہو۔

کیونکہ اِبدال حرف بالحرف ایسی غلطی ہے جس کا احساس بالعموم مجودین ہی کو ہوتا ہے۔ اس لئے کہ یہاں اِبدال سے حروف متشابہ الصوت کا اِبدال مراد ہے، جیسا کہ متن کی مثالوں سے ظاہر ہوتا ہے ،اور ان حرفوں میں بغیر مشق کئے فرق کرنا مشکل ہے۔

حرف کی کمی بیشی کو اور ایسے ہی حرکت و سکون کی غلطی کو وہ علمائے عربیت بھی محسوس فرما لیتے ہیں جو مجودین نہیں ہیں ،اسلئے انکی طرف اشارہ بھی عام عنوان سے کیا ہو یعنی "غلط پڑھنا"

گو صفاتِ عارضہ کی عدم ادائیگی کا احساس بھی مجودین ہی کو ہوتا ہے مگر چونکہ وہ تجوید کا ایسا اہم جز نہیں ہے جس طرح کہ مخارج و صفاتِ لازمہ ہیں، اس لئے ان کی غلطی کی طرف اشارہ بھی ہلکے عنوان سے کر دیا ہو، یعنی "بے قاعدہ پڑھنا" چنانچہ متن میں بھی ان کے ترک کو حرفوں کے حسین ہونے کے قاعدوں کے خلاف پڑھنے ہی سے تعبیر فرمایا ہے۔

اس لمعہ کو اصل مسائل پر جو مقدم کیا ہے تو اس کی وجہ شاید یہ ہو کہ مصنف رحمہ اللہ کے پیش نظر یہ سمجھانا ہو کہ آئندہ لمعات میں بیان ہونے والے مسائل کو یاد کر لینے اور ان کی روشنی میں قرآن مجید کی تلاوت کرنے سے مقصود انہی غلطیوں سے بچنا ہے جو یہاں بیان کر دی گئی ہیں۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ وَعِلْمُہٗ اَتَمُّ۔ ۱۲

قرآن شریف شروع کرنے سے[۲] پہلے اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ پڑھنا ضروری[۳] ہے۔ اور بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ میں یہ تفصیل[۴] ہے کہ اگر سورت

حواشی لمعہ سوئم

[۱] اس لمعہ میں مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے اعوذ اور بسم اللہ کے پڑھنے کا محل اور موقعہ بیان فرمایا ہے اور مسئلہ کے باقی پہلوؤں کو ابتدائی رسالہ ہونے کی وجہ سے نظر انداز فرما دیا ہے۔ احقر کی رائے میں معلمین کے لئے بھی یہی مناسب ہے کہ کتاب میں مسئلہ کی جو شق مذکور ہے اس کے سوا اور دوسری شقوں سے تعرض نہ کریں تاکہ مبتدی کا ذہن مشوش نہ ہو۔ ۱۲

[۲] خواہ کسی سورۃ کے شروع سے پڑھنا شروع کیا جائے یا درمیان سے، مثلاً کسی پارہ یا رکوع وغیرہ کے شروع سے، یہ حکم عام ہے۔ ۱۲

[۳] اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے سورہ نحل میں اس کا حکم فرمایا ہے۔ ۱۲

[۴] اس تفصیل کے سمجھنے سے پہلے یہ جان لینا ضروری ہے کہ یہاں سورۃ اور صورت میں کیا فرق ہے۔ پس سورۃ تو وہی عام لفظ ہے یعنی قرآن مجید کی سورۃ اور صورت بمعنیٰ حالت ہے۔ اب سمجھو کہ بسم اللہ کے پڑھنے کے موقعہ ابتدائے سورۃ ہے، اور ابتدائے سورۃ کی دو صورتیں یعنی دو حالتیں ہیں:۔ ایک یہ کہ ابتدائے سورۃ سے پڑھنا شروع کیا جائے اور دوسری یہ کہ ابتدائے سورۃ درمیان قرارت میں واقع ہو یعنی پڑھتے پڑھتے درمیان میں سورۃ شروع ہو جائے، پس بسم اللہ کا پڑھنا ابتدائے سورۃ کی ان دونوں صورتوں میں ضروری ہے البتہ سورۂ براءۃ کی ابتدا کا حکم اس عام قاعدہ سے مختلف ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر تو سورۂ براءۃ پڑھتے پڑھتے درمیان میں شروع ہو جائے تب تو اسکے شروع میں بسم اللہ کا پڑھنا سب کے نزدیک

سے شروع کرے تو بِسْمِ اللّٰہ پڑھنا ضروری ہے۔ اسی طرح اگر پڑھتے پڑھتے کوئی سورت بیچ میں شروع ہوگئی تب بھی بِسْمِ اللّٰہ ضروری ہے، مگر اس دوسری صورت میں سورہ براءۃ کے شروع میں نہ پڑھے، اور بعضے عالموں نے کہا ہے کہ پہلی صورت میں بھی سورۂ براءۃ پر بِسْمِ اللّٰہ نہ پڑھے، اور اگر کسی سورت کے بیچ میں سے پڑھنا شروع کیا تو بِسْمِ اللّٰہ پڑھ لینا بہتر ہے[۵] ضروری نہیں لیکن اَعُوْذُ اس حالت[۶] میں بھی ضروری[۷] ہے۔

ناجائز ہے اور اس کو متن میں دوسری صورت کے ضمن میں بیان کیا گیا ہے اور اگر یہیں سے پڑھنا شروع کیا جائے تو اس صورت میں بھی اکثر علماء ناجائز ہی کہتے ہیں، البتہ بعض علماء نے اس حالت میں پڑھنے کو جائز بتایا ہے اور متن میں اکثر کے قول کو جو بعض کا قول بتایا ہے تو یہ دوسرے محققین کی تحقیق کے خلاف ہے، پھر جو علماء اس صورت میں جائز بتاتے بھی ہیں تو وہ بھی ابتدائے سورۃ کے لحاظ سے نہیں بلکہ صرف تبرکاً یعنی برکت حاصل کرنے کی غرض سے جائز بتاتے ہیں۔ جیسا کہ ابتدائے قرارت درمیان سورۃ کی صورت میں بھی اس مقصد کے لئے بسم اللہ کا پڑھنا جائز بلکہ بہتر ہے وَاللّٰہُ اَعْلَم۔ اس مسئلہ کی کچھ تفصیل توضیحات مرضیہ شرح فوائد مکیہ میں درج ہے۔۱۲

[۵] کیونکہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ ہر وہ کام جو مُہْتَمّ بِالشَّان ہو اگر اسکو بغیر بسم اللہ کے شروع کیا جائے تو اس میں برکت نہیں ہوتی۔ تلاوت قرآن سے بڑھ کر اور کونسا کام مُہْتَمّ بِالشَّان ہوگا اور ضروری اسلئے نہیں کہ اسکا محل نہیں پایا گیا، جو کہ ابتدائے سورۃ ہے۔۱۲

[۶] یعنی ابتدائے قرارت درمیان سورۃ کی حالت میں۔۱۲

[۷] کیونکہ اس کا محل پایا جا رہا ہے یعنی ابتدائے قرارت۔

ایک مفید مشورہ: معلمین کو چاہئے کہ یہ لمعہ اچھی طرح سمجھا کر پڑھا چکنے کے بعد سورۃ اور قرارت کے شروع اور درمیان کے لحاظ سے جو تین شکلیں نکلتی ہیں اور ہر شکل میں اعوذ اور بسم

اللہ دونوں کے یا دونوں میں سے ایک کے پڑھنے کا جو حکم ثابت ہوتا ہے طلبہ کو یہیں سمجھا دیں مگر کوشش اس بات کی کریں کہ سمجھانے کا انداز مختصر ہو، اور تقریر اس طرح کریں کہ :۔

اس لمعہ میں تمہیں یہ بات معلوم ہوئی کہ شروع قرأت میں اعوذ کا اور شروع سورۃ میں بسم اللہ کا پڑھنا ضروری ہے، جس کا مطلب یہ ہوا کہ ❊ اگر کسی سورۃ کے شروع سے پڑھنا شروع کیا جائے تو وہاں اعوذ اور بسم اللہ دونوں ہی پڑھی جائیں گی، اعوذ تو اس لئے کہ شروع قرأت ہے اور بسم اللہ اس لئے کہ شروع سورۃ ہے۔ ❊ اگر شروع قرأت درمیانِ سورۃ سے ہو یعنی کسی سورۃ کے درمیان سے پڑھنا شروع کیا جائے تو وہاں اعوذ تو ضرور پڑھی جائے گی اور بسم اللہ کا پڑھ لینا بھی بہتر ہے مگر ضروری نہیں۔ ❊ اور اگر شروع سورۃ درمیان قرأت ہو یعنی پڑھتے پڑھتے درمیان میں سورۃ شروع ہو جائے تو وہاں صرف بسم اللہ ہی پڑھی جائے گی، پس یہ کل تین صورتیں ہوئیں :۔

① شروع قرأت شروع سورۃ

② شروع قرأت درمیان سورۃ

③ شروع سورۃ درمیان قرأت

اب یہ سمجھو کہ [شروع قرأت شروع سورۃ] میں اعوذ کو بسم اللہ سے اور بسم اللہ کو آیت سے ملا کر ○ یا دونوں پر وقف کر کے ○ یا پہلے کو دوسرے سے ملا کر اور دوسرے پر وقف کر کے ○ یا اس کے برعکس یعنی پہلے پر وقف کر کے اور دوسرے کو آیت سے ملا کر جس طرح چاہو پڑھو ہر طرح جائز ہے۔

[شروع قرأت درمیان سورۃ] میں اگر بسم اللہ پڑھیں تو اس کو آیت سے ملا کر پڑھنا جائز نہیں بلکہ اَلرَّجِیْمِ پر وقف کر کے پڑھنا ہی ضروری ہے، ہاں اعوذ کو بسم اللہ سے ملانا اور نہ ملانا دونوں جائز ہیں اور اگر بسم اللہ نہ پڑھیں تو اعوذ کو اگرچہ آیت سے ملانا جائز تو ہے لیکن نہ ملانا بہتر ہے، ہاں اگر آیت کے شروع میں اللہ تعالیٰ کے پاک ناموں میں سے کوئی نام ہو تو اس آیت سے اعوذ کو ملانا قطعاً جائز نہیں۔

چوتھا لمعہ[1]

جن موقعوں[2] سے حروف ادا ہوتے ہیں ان کو مخارج کہتے ہیں اور یہ مخارج سترہ[3] ہیں:۔

[شروع سورۃ درمیان قراءت] میں پہلی سورۃ کے آخر پر وقف کر کے یا اس کو بسم اللہ سے ملا کر پڑھنا دونوں طرح جائز ہے، لیکن اگر سورۃ کے آخر کو بسم اللہ سے ملا دیا ہے تو اب اَلرَّحِیۡمِ پر وقف کرنا جائز نہیں بلکہ اگلی سورۃ سے ملا کر پڑھنا ہی ضروری ہے۔

❁ اور اگر پڑھتے پڑھتے درمیان میں سورۃ براءۃ شروع ہو جائے تو وہاں چونکہ بسم اللہ نہیں پڑھی جاتی اس لئے دو ہی صورتیں باقی رہ جاتی ہیں:۔ ایک یہ کہ سورہ انفال کے آخر پر وقف کر دیا جائے اور دوسری یہ کہ اسکے آخر کو بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ سے ملا کر پڑھا جائے۔ البتہ یہاں پر ایک تیسری صورت بھی جائز ہے، اور وہ یہ کہ سورہ انفال کے آخر یعنی بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ پر بلا سانس لئے تھوڑی دیر ٹھہر کر دوسری سورۃ شروع کی جائے، اور اسکو سکتہ کہتے ہیں

حواشی لمعہ چہارم

[۱] تجوید کی تعریف، لحن کی صورتیں اور ان کا حکم، اعوذ اور بسم اللہ کے پڑھنے کا موقع اور محل بیان کرنے کے بعد اب اس لمعہ سے مصنف رحمۃ اللہ علیہ تجوید کے اصل مسائل شروع فرما رہے ہیں، اور جیسا کہ پہلے لمعہ میں فرما چکے ہیں کہ تجوید نام ہے حروف کو ان کے مخارجِ اصلیہ سے نکالنے اور ان کی صفات کے ادا کرنے کا، اسلئے اب مسائل کے بیان میں بھی اسی ترتیب کو ملحوظ رکھا ہے کہ پہلے حرفوں کے مخارج بیان فرمائے ہیں اور پھر صفات کی بحث لائے ہیں اور مناسب بھی یہی ترتیب ہے اس لئے کہ حرف کے ادا ہونے میں پہلا مرتبہ مخرج کا ہے اور صفات کا درجہ مخرج کے بعد ہے۔

[۲] یعنی جن جگہوں سے، جیسا کہ زبان کی جڑ، زبان کی کروٹ اور دونوں ہونٹ وغیرہ۔ بس انہی جگہوں کو مخارج کہتے ہیں اور مخارج جمع ہے مخرج کی اور مخرج کے معنی ہیں: حرف کے نکلنے کی جگہ

[۳] اس طرح کہ ایک جوف میں، تین حلق میں، دس زبان میں، دو ہونٹوں میں، اور ایک

مخرج نمبر[۴] ① جوفِ[۵] دہن یعنی منہ کے اندر کا خلاء۔ اس سے یہ حروف نکلتے ہیں:۔
واوؔ جب کہ ساکن ہو اور اس سے پہلے حرف پر پیش ہو جیسے اَلْمَغْضُوْبِ، یاء جبکہ ساکن ہو اور اس سے پہلے زیر ہو جیسے نَسْتَعِیْنُ، الف جبکہ ساکن[۶] بے جھٹکے ہو اور اس سے پہلے زبر ہو جیسے صِرَاطَ اور ساکن بے جھٹکے اس لئے کہا کہ زبر، زیر، پیش والا اور اسی طرح ساکن جھٹکے والا ہمزہ ہوتا ہے، اگرچہ عام لوگ اس کو بھی الف کہتے ہیں جیسے اَلْحَمْدُ کے شروع میں جو الف ہے یا بَأْسُ کے بیچ میں جو الف ہے یہ واقع میں ہمزہ ہے اور اس تمام کتاب میں ایسے دونوں الفوں کو ہمزہ ہی کہا جاوے گا یاد رکھنا۔ اور جس

ناک کی جڑ میں ہے تفصیل کتاب میں آرہی ہے۔۱۲

[۴] اس مخرج کے ضمن میں چونکہ مصنف رحمہ اللہ نے مخرج کا نام، اس سے نکلنے والے حروف اور ان حرفوں کے اصطلاحی ناموں کے علاوہ کچھ چیزیں اور بھی بیان فرمائی ہیں، مثلاً:۔ ہمزہ اور الف کا فرق، واؤ اور یاء کی تین تین قسمیں، اور حروفِ مدہ کو مدہ اور ہوائیہ کہنے کی وجہ، اس لئے اساتذہ کو چاہئے کہ پہلے یہ سب چیزیں طلبہ کو الگ الگ سمجھا دیں اور پھر کتاب کی عبارت پڑھوا کر اس کی وضاحت کریں۔۱۲

[۵] اس لفظ کا معنیٰ تو مصنف رحمہ اللہ نے بیان فرما ہی دیا ہے، یعنی منہ کے اندر کا خالی ہونا، اب سمجھنے کی چیز یہ رہ گئی ہے کہ خلا سے حرفوں کے ادا ہونے کا کیا مطلب ہے؟ پس مطلب اس کا یہ ہے کہ جس طرح اور حرفوں کی ادائیگی میں آواز کسی نہ کسی جگہ پہنچ کر رک جاتی ہے اسی طرح ان حرفوں کی ادائیگی میں آواز کسی مقرر جگہ پر ٹھہرنے اور رکنے نہیں پاتی بلکہ گزرتی ہوئی چلی جاتی ہے اور ہوا میں پھیل کر ختم ہو جاتی ہے۔۱۲

[۶] یعنی سیدھا اور نرم کہ آواز بالکل رکنے نہ پائے، جیسے قَالَ اور كَانَ کا الف کیونکہ الف کی حقیقت ہی یہی ہے، ورنہ اگر پڑھنے میں جھٹکا لگا تو الف، الف نہیں رہے گا بلکہ ہمزہ ہو جائے گا جیسا کہ آگے متن میں بھی ہے۔۱۲

الف اور جس واوٗ اور جس یاء کا ابھی اوپر ذکر ہوا ہے، ان کو حروفِ مدہ اور حروفِ ہوائیہ بھی کہتے ہیں۔ پہلا نام اس لئے ہے کہ ان پر کبھی مد بھی ہوتا ہے۔ گیارہویں لمعہ کے بیان میں اس کا پورا حال معلوم ہوگا اور دوسرا نام اس لئے ہے کہ یہ حروف ہوا پر تمام ہوتے ہیں اور جس واوٗ ساکن سے پہلے زبر ہو اسکو واوٗ لین کہتے ہیں جیسے مِنْ خَوْفٍ○ اور جس یاء ساکن سے پہلے زبر ہو اس کو یائے لین کہتے ہیں جیسے وَالصَّيْفِ○ پس واوٗ لین اور واوٗ متحرک کا مخرج آگے سولھویں مخرج کے بیان میں آوے گا، اور یاء لین اور یاء متحرک کا مخرج آگے ساتویں مخرج کے بیان میں آوے گا۔

مخرج نمبر ۲ اقصیٰ حلق یعنی حلق کا پچھلا حصہ سینہ کی طرف والا۔ اس سے یہ حروف ادا ہوتے ہیں:۔ ہمزہ اور ھاء۔

مخرج نمبر ۳ وسطِ حلق یعنی حلق کا درمیان والا حصہ۔ اس سے یہ حروف نکلتے ہیں: ع اور ح بے نقطہ والے۔

۷ یعنی وہ جن کیساتھ ساکن ہونے اور ماقبل کی حرکت کے موافق ہونے کی قید لگائی ہے۔

۸ یہ نام اس مد کی وجہ سے نہیں ہے جو کبھی ہوتا ہے، ورنہ لازم آئے گا کہ جب ان میں یہ مد نہ ہو اس وقت ان کا یہ نام بھی نہ ہو، حالانکہ ایسا نہیں بلکہ یہ نام اس مد کی وجہ سے ہے جس پر ان حرفوں کی ذات کا مدار ہے، اور جس کو مد ذاتی کہتے ہیں، کیونکہ اس سے یہ کبھی خالی نہیں ہوتے اور متن میں جو "کبھی" کی قید بڑھائی ہے تو اس کی وجہ شاید یہ ہو کہ اس مد کی حالت میں مد کا احساس زیادہ ہوتا ہے وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔۱۲

۹ ہوا پر تمام ہونے اور جوف سے ادا ہونے کا مطلب ایک ہی ہے۔ دیکھو حاشیہ نمبر ۵ وہاں اس کی وضاحت کی گئی ہے۔۱۲

۱۰ یہ لفظ اسلئے بڑھایا گیا ہے کہ اگر کاتب غلطی سے نقطہ لگا بھی دے تب بھی اسکو غین اور خاء

مخرج نمبر④ ادنیٰ حلق یعنی حلق کا وہ حصہ جو منہ کی طرف والا ہے۔ اس سے یہ حروف ادا ہوتے ہیں :۔ غ اور خ نقطہ والے اور ان چھ حرفوں کو حروفِ حلقی کہتے ہیں۔

مخرج نمبر⑤ لہات[11] یعنی کوے کے متصل زبان کی جڑ جبکہ اوپر کے تالو سے ٹکر کھاوے[12]۔ اس سے قاف ادا ہوتا ہے۔

مخرج نمبر⑥ قاف کے مخرج کے متصل ہی منہ کی جانب ذرا نیچے ہٹ کر اور اس سے کاف ادا ہوتا ہے، اور ان دونوں حرفوں کو لہاتیہ[13] کہتے ہیں۔

مخرج نمبر⑦ وسطِ زبان اور اسکے مقابل اوپر کا تالو ہے، اور اس سے یہ حرف ادا ہوتے ہیں :۔ ج ش ی جبکہ مدہ نہ ہو[14] یعنی یائے متحرک اور یائے لین اور مدہ اور لین کے معنیٰ مخرج نمبر ا کے ذیل میں بیان کئے گئے ہیں اور ان کو حروفِ شجریہ[15] کہتے ہیں۔

فائدہ : آگے جو مخارج آتے ہیں ان میں بعضے دانتوں کے نام عربی میں آویں

نہ پڑھیں اور اسی طرح مخرج نمبر ۴ کے حرفوں میں نقطے والے کی قید کا بھی یہی فائدہ سمجھنا چاہئے۔

[11] "لہات" زبان کی شکل کا گوشت کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا ہے، جو تالو کے بالکل آخر میں لٹکا رہتا ہے۔ اس کو اردو میں کوا کہتے ہیں۔ ۱۲

[12] یعنی جا کر لگے، اور آگے لام کے مخرج میں بھی مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے یہی لفظ استعمال کیا ہے۔ اس کا مطلب بھی یہی سمجھنا چاہئے۔ ۱۲

[13] چونکہ ان حرفوں کا مخرج لہات سے متصل ہے اسلئے انکی نسبت اسکی طرف کی جاتی ہے۔ ۱۲

[14] کیونکہ مدہ ہونے کی حالت میں اس کا مخرج جوفِ دہن ہے، جیسا کہ مخرج نمبر ایک کے ذیل میں معلوم ہو چکا ہے۔

[15] شَجْر بسکونِ جیم منہ کے اندر کی اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں سے یہ تینوں حروف ادا ہوتے ہیں۔ ۱۲

گے اس واسطے پہلے ان کے معنیٰ[۱۶] بتلائے دیتا ہوں، ان کو خوب یاد کرلیں تا کہ آگے سمجھنے میں دِقّت نہ ہو۔ جاننا چاہیئے کہ بتیس[۱۷] دانتوں میں سے سامنے[۱۸] کے چار[۱۹] دانتوں کو ثنایا کہتے ہیں دو اوپر والوں کو ثنایا علیا اور دو نیچے والوں کو ثنایا سفلیٰ[۲۰] اور ان ثنایا کے پہلو میں چار دانت جو ان سے ملے ہوئے ہیں، ان کو رَباعیات اور قواطع بھی کہتے ہیں۔ پھر ان رَباعیات سے ملے ہوئے چار دانت نوکدار ہیں، ان کو اَنیاب اور کواسِر کہتے ہیں۔ پھر ان اَنیاب کے پاس جو چار دانت ہوتے ہیں ان کو ضواحک کہتے ہیں۔ پھر ان ضواحک کے پہلو میں بارہ دانت اور ہیں یعنی تین اوپر داہنی طرف اور تین اوپر بائیں طرف اور تین

[۱۶] یہاں ''معنیٰ'' سے مراد دانتوں کے نام اور ان کی ترتیب ہے۔ ورنہ ظاہر ہے کہ کتاب میں دانتوں کے معنیٰ تو مذکور نہیں۔۱۲

[۱۷] کیونکہ عام طور پر انسان کے منہ میں بتیس دانت ہی ہوتے ہیں۔۱۲

[۱۸] پس دانتوں کی ترتیب اور ان کے مواقع سمجھنے کے لئے کسی کنارہ سے نہ شروع کیا جائے بلکہ سب سے پہلے ان چار دانتوں کی جگہ معلوم کرلینی چاہیئے جو دیکھنے والے کو سامنے نظر آتے ہیں اور انہیں کو ثنایا کہتے ہیں، اور یہ دو دو اکٹھے اور آپس میں ملے ہوئے ہیں۔ اس طرح کہ دو اوپر ہیں اور دو نیچے بخلاف باقی دانتوں کے، کہ وہ چاروں طرف ایک ایک ہیں۔ جیسا کہ متن میں تفصیل موجود ہے۔ اگر اس بیان سے ترتیب سمجھ میں نہ آئے تو کتاب کے آخر میں دانتوں کا نقشہ دیکھ لیا جائے، انشاء اللہ سمجھ میں آجائے گی۔۱۲

[۱۹] اسی طرح رَباعیات، انیاب، ضواحک اور نواجذ، یہ دانت بھی چار چار ہی ہیں۔ البتہ طواحن چار نہیں بلکہ بارہ ہیں۔ اس لئے یہ باقی دانتوں کی طرح چاروں طرف ایک ایک نہیں بلکہ تین تین ہیں۔۱۲

[۲۰] اگرچہ تمام دانتوں کی دو دو قسمیں ہیں:۔ علیا اور سفلیٰ، مگر چونکہ ثنایا سفلیٰ کے سوا نیچے کے کسی دانت سے کوئی حرف ادا نہیں ہوتا، اسلئے مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے باقی دانتوں کی اس تقسیم کی ضرورت نہیں سمجھی وَاللّٰہُ اَعْلَمُ۔۱۲

نیچے داہنی طرف اور تین نیچے بائیں طرف، ان کو طواحن کہتے ہیں۔ پھر ان طواحن کے بغل میں بالکل اخیر میں ہر جانب ایک ایک دانت اور ہوتا ہے، جن کو نواجِذ کہتے ہیں اور ان سب ضواحک، طواحن اور نواجذ کو اَضراس کہتے ہیں۔ جن کو اردو میں ڈاڑھیں کہتے ہیں۔ یاد کی آسانی کیلئے کسی نے ان سب ناموں کو نظم کر دیا ہے اور وہ نظم یہ ہے:-

ہے تعداد دانتوں کی کل تیس اور دو ثنایا ہیں چار اور رَباعی ہیں دو دو
ہیں اَنیاب چار اور باقی رہے بیس کہ کہتے ہیں قراء اَضراس انہیں کو
ضواحک ہیں چار اور طواحن ہیں بارہ نواجذ بھی ہیں ان کے بازو میں دو دو

مخرج نمبر ۸ ض کا ہے اور وہ حافۂ لسان[۲۱] یعنی زبان کی کروٹ دائیں یا بائیں سے نکلتا ہے جبکہ اَضراس عُلیا یعنی اوپر کی ڈاڑھوں کی جڑوں سے لگاویں اور بائیں طرف سے آسان ہے اور دونوں طرف سے ایک دفعہ میں نکالنا بھی صحیح ہے مگر بہت مشکل ہے۔ اور اس حرف کو حَافِیَّۃ کہتے ہیں، اور اس حرف میں اکثر لوگ بہت غلطی کرتے ہیں۔ اسلئے کسی مَشّاق قاری سے اسکی مشق کرنا ضروری ہے۔ اس حرف کو دال پُر یا باریک یا دال کے مشابہ جیسا کہ آج کل اکثر لوگوں کے پڑھنے کی عادت ہے، ایسا ہرگز نہیں پڑھنا[۲۲]

[۲۱] مگر پورا حافہ ضاد کا مخرج نہیں بلکہ اقصیٰ حافہ ہے، یعنی حافہ کا وہ حصہ جو اَضراس کے مقابل ہے، کیونکہ زبان کی نوک اور حافہ کا کچھ حصہ لام کا مخرج ہے۔ جیسا کہ آگے متن میں مخرج نمبر ۹ کے ذیل میں آرہا ہے۔ ۱۲

[۲۲] کیونکہ یہ بھی ایک مستقل حرف ہے اور اسکی بھی اپنی ایک ادا ہے، اور اس طرح پڑھنے سے لازم آئے گا ایک حرف کا دوسرے حرف سے بدل جانا، جو لحن جلی کی ایک صورت ہے۔ جیسا کہ دوسرے لمعہ میں گزر چکا ہے۔ خصوصاً دال پُر تو سرے سے کوئی حرف ہی نہیں ہے، اس لئے ضاد کو دال پُر پڑھنا تو اور بھی زیادہ گناہ کی بات اور فاش غلطی ہے۔ ۱۲

چاہیئے، یہ بالکل غلط ہے۔ اسی طرح خالص ظاء[۲۳] پڑھنا بھی غلط ہے، البتہ اگر ضاد کو اس کے صحیح مخرج سے صحیح طور پر نرمی[۲۴] کیساتھ آواز کو جاری رکھ کر اور تمام صفات کا لحاظ کر کے ادا کیا جاوے تو اس کی آواز سننے میں ظاء کی آواز کے ساتھ بہت زیادہ مشابہ[۲۵] ہوتی ہے دال کے مشابہ بالکل نہیں[۲۶] ہوتی۔ علم تجوید و قراءت[۲۷] کی کتابوں میں اسی طرح لکھا ہے۔

مخرج نمبر ⑨ لام کا ہے کہ زبان کا کنارہ مع کچھ حصہ[۲۸] حافہ جب ثنایا اور رباعی اور

---

[۲۳] کیونکہ اس میں بھی وہی خرابی ہے کہ ایک حرف دوسرے حرف سے بدل جاتا ہے۔

[۲۴] کیونکہ اس میں صفت رخاوت پائی جاتی ہے، جس کی وجہ سے حرف نرم ادا ہوتا ہے اور اسی صفت کی وجہ سے آواز بھی جاری رہتی ہے۔ جیسا کہ صفات کے باب میں معلوم ہوگا۔۱۲

[۲۵] اس لئے کہ ضاد کی طرح ظاء میں بھی صفت رخاوت اور اطباق ہے بلکہ یہ دونوں تقریباً تمام ہی صفات میں شریک ہیں۔۱۲

[۲۶] کیونکہ دال شدیدہ مستفلہ ہے اور ضاد رخوہ مطبقہ، پس دال تو سخت اور باریک ادا ہوگا اور ضاد نرم اور خوب پُر پڑھا جائے گا۔۱۲

[۲۷] چنانچہ رِعَایَۃ، اَلنَّشْر اور نِہَایَۃُ الْقَوْلُ الْمُفِیْد وغیرہا میں اس بات کی تصریح موجود ہے کہ ضاد مشابہ بالظاء ہے۔ یہ اس فن کی انتہائی قابل وثوق اور معتبر کتابیں ہیں، علاوہ ازیں بعض حضرات نے اس موضوع پر مستقل رسائل بھی تصنیف فرمائے ہیں، جن میں اس بات کو وضاحت کیساتھ بیان کیا گیا ہے کہ ضاد کی آواز سننے میں ظاء کی آواز کیساتھ بہت مشابہت رکھتی ہے بلکہ یہی اسکی صحت ادا کیلئے معیار ہے۔ ان میں سے الاقتصاد فی الضاد مصنفہ جناب مولانا حکیم رحیم اللہ صاحب بجنوری اور ضیاء الارشاد فی تحقیق الضاد مصنفہ جناب مولانا قاری محب الدین احمد صاحب الہ آبادی خصوصیت کیساتھ قابل ذکر ہیں، اور احقر نے بھی اس موضوع پر سبیل الرشاد فی تحقیق تلفظ الضاد کے نام سے ایک مستقل رسالہ لکھا ہے، جو بفضلہ تعالیٰ نہایت جامع، مفید معلومات سے پُر اور قابل مطالعہ ہے۔۱۲

[۲۸] حاشیہ نمبر ۲۱ ایک بار پھر دیکھ لیجئے۔۱۲

ناب اور ضواحک کے مسوڑھوں سے کسی قدر مائل[۲۹] تالو کی طرف ہو کر ٹکر کھاوے خواہ داہنی طرف سے یا بائیں طرف سے، اور داہنی طرف سے آسان[۳۰] ہے اور دونوں طرف سے ایک دفعہ میں نکالنا بھی صحیح ہے۔

مخرج نمبر ⑩ نون کا ہے اور وہ بھی زبان کا کنارہ ہے مگر لام کے مخرج سے کم ہو کر یعنی ضاحک کو اس میں دخل نہیں[۳۱]۔

مخرج نمبر ⑪ راء کا ہے۔ اور وہ نون کے مخرج کے قریب[۳۲] ہے، مگر اس میں پشتِ[۳۳] زبان کو بھی دخل ہے۔ ان تینوں حرفوں کو یعنی لام، نون اور راء کو طَرَفِیَّۃ اور ذَلَقِیَّۃ بھی کہتے ہیں[۳۴]۔

مخرج نمبر ⑫ طاء اور دال اور تاء کا ہے یعنی زبان کی نوک اور ثنایا علیا کی جڑ۔ اور

---

[۲۹] اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ لام کا مخرج مسوڑھوں کے کچھ اوپر تالو کی جانب ہے نیچے دانتوں میں نہیں وَاللّٰہُ اَعْلَمُ۔ ۱۲

[۳۰] یعنی اس کا معاملہ ضاد کے برعکس ہے، کیونکہ وہ بائیں طرف سے آسان ہے۔ ۱۲

[۳۱] پس لام کا مخرج چار دانت ہیں اور نون کا تین۔ ۱۲

[۳۲] البتہ اتنا فرق ہے کہ اس میں نوکِ زبان کچھ تالو کے اندر لگتی ہے بخلاف نون کے، کہ اس میں مسوڑھوں کے قریب لگتی ہے اور ایک تھوڑا سا فرق اور بھی ہے جس کو آگے متن میں بیان کیا ہے وَاللّٰہُ اَعْلَمُ۔ ۱۲

[۳۳] ''پشتِ زبان'' زبان کے اوپر والے حصے کو کہتے ہیں۔ جس سے حروف ادا ہوتے ہیں اور اس کو عربی میں ''ظَهْرِ لِسَان'' کہتے ہیں اور نیچے والے حصے کو جو نیچے کے جبڑے سے ملا رہتا ہے ''بَطْنِ لِسَان'' کہتے ہیں۔ پس اب مطلب یہ ہوا کہ راء کی ادائیگی میں لام اور نون کی طرح زبان کی نوک ہی نہیں لگتی بلکہ پشتِ زبان کا سرا بھی لگتا ہے وَاللّٰہُ اَعْلَمُ۔ ۱۲

[۳۴] ''طرف'' کنارے اور نوک کو کہتے ہیں اور ''ذَلَق'' کے بھی یہی معنیٰ ہیں۔ ۱۲

ان تینوں حرفوں کو نِطْعِیَّۃ کہتے ہیں[۳۵]۔

مخرج نمبر۱۳ ظاء اور ذال اور ثاء کا ہے، اور وہ زبان کی نوک اور ثنایا علیا کا سرا[۳۶] ہے۔ اور ان تینوں حرفوں کو لِثَوِیَّۃ کہتے ہیں[۳۷]۔

مخرج نمبر۱۴ صاد اور زاء اور سین کا ہے اور یہ زبان کا سرا اور ثنایا سفلیٰ کا کنارہ مع کچھ اتصال[۳۸] ثنایا علیا کے ہے۔ اور ان کو حروفِ صفیر کہتے ہیں[۳۹]۔

مخرج نمبر۱۵ فاء کا ہے۔ اور یہ نیچے کے ہونٹ کا شکم اور ثنایا علیا کا کنارہ[۴۰] ہے۔

مخرج نمبر۱۶ دونوں ہونٹ ہیں، اور ان سے یہ حروف ادا ہوتے ہیں:۔ باء اور میم اور واوٗ جبکہ مدہ نہ ہو[۴۱] یعنی واوٗ متحرک اور واوٗ لین، اور مدہ اور لین کے معنیٰ مخرج نمبر ایک کے ذیل میں بیان کئے گئے ہیں مگر ان تینوں میں اتنا فرق ہے کہ باء ہونٹوں کی تری سے نکلتی ہے اسلئے اسکو بحری کہتے ہیں اور میم ہونٹوں کی خشکی سے نکلتی ہے اور اسلئے اسکو

---

[۳۵] ان حرفوں کے مخرج سے ذرا اوپر ایک چھوٹا سا گڑھا ہے، اس کو نِطَع کہتے ہیں۔ یہ انگلی سے محسوس ہوسکتا ہے۔ ۱۲

[۳۶] مگر یہاں ''سرے'' سے مراد نوک نہیں بلکہ دانتوں کا اندر والا کنارہ مراد ہے۔ ۱۲

[۳۷] لِثَہ مسوڑھے کو کہتے ہیں۔ ۱۲

[۳۸] یعنی ملنا، لیکن اسکا مطلب یہ نہیں کہ ثنایا علیا کا اتصال زبان کی نوک کیساتھ ہو جاتا ہے بلکہ اس اتصال سے مراد ثنایا علیا کا ثنایا سفلیٰ کیساتھ اتصال ہے۔ وضاحت معلم التجوید میں دیکھو

[۳۹] ان حرفوں کا یہ نام صفت صفیر کی وجہ سے ہے۔ جو ان حرفوں کی ایک بہت ہی مشہور اور واضح صفت ہے، ورنہ مخرج کے لحاظ سے ان حرفوں کا لقب اَسَلِیَّۃ ہے۔ ۱۲

[۴۰] یہاں ''کنارہ'' سے مراد ثنایا علیا کی نوکیں ہیں، کیونکہ فاء نوکوں ہی سے ادا ہوتی ہے۔ ۱۲

[۴۱] کیونکہ واوٗ مدہ کا مخرج جوف ہے۔ جیسا کہ مخرج نمبر ایک کے ذیل میں بیان ہو چکا ہے۔

بری کہتے ہیں، اور واؤ دونوں ہونٹوں کے ناتمام[۴۳] ملنے سے نکلتا ہے اور فاء کو اور ان تینوں حرفوں کو شَفَوِیَّہْ کہتے ہیں۔

مخرج نمبر[۱۷] خیشوم یعنی ناک کا بانسہ[۴۴] ہے۔ اس سے غنہ نکلتا ہے۔ غنہ کا بیان[۴۵] آگے نویں اور دسویں لمعہ میں نون اور میم کے قاعدوں میں انشاء اللہ تعالیٰ آوے گا۔ اور جاننا چاہئے کہ ہر حرف کے مخرج معلوم کرنے کا طریقہ یہ[۴۶] ہے کہ اس حرف کو ساکن کر کے اس سے پہلے ہمزہ متحرک لے آوے، جس جگہ آواز ختم ہو وہی اس کا مخرج ہے۔

[۴۲] "بحر" کے معنیٰ پانی اور تری کے آتے ہیں اور "بر" کے معنیٰ خشکی کے۔ اسی مناسبت سے باء کو بحری اور میم کو بری کہتے ہیں۔ ۱۲

[۴۳] یعنی اس طرح کہ کنارے تو ملے ہوں اور بیچ کھلا ہو اور مثل غنچہ کے گول ہو جائیں، یہی مطلب ہے ناتمام ملنے کا۔ ۱۲

[۴۴] یعنی "جڑ" اور مراد اس سے ناک کی ہڈی والا حصہ ہے اور یہی مخرج ہے غنہ کا۔ ۱۲

[۴۵] یعنی نویں اور دسویں لمعہ میں غنہ کے معنیٰ اور یہ کہ نون اور میم میں غنہ کن حالتوں میں ہوتا ہے، یہ دو چیزیں بیان کی جائیں گی۔ نویں لمعہ میں تو میم کے غنہ کا بیان ہوگا اور دسویں لمعہ میں نون کے غنہ کا، اور غنہ بس انہی دو حرفوں میں ہوتا ہے۔ ۱۲

[۴۶] یہ طریقہ دراصل مخرج کے معلوم کرنے کا طریقہ نہیں، کیونکہ مخارج تو کتاب میں بیان ہو ہی چکے ہیں، بلکہ یہ طریقہ اپنی ادا کے معلوم کرنے کا ہے یعنی یہ کہ حرف صحیح مخرج سے ادا ہوا ہے یا غلط مخرج سے وَاللّٰہُ اَعْلَمُ۔ ۱۲

ایک مفید مشورہ

معلمین کو چاہئے کہ صفات کا بیان پڑھانے سے پہلے طلبہ کو مخارج کی خوب مشق کرا دیں۔ اس طرح کہ وہ فرفر سنا سکیں۔ اگر جمال القرآن کی عبارت میں مخارج یاد نہ ہو سکیں تو مختصر لفظوں میں ہی یاد کرا دیں۔ مثلاً اس طرح کہلوائیں: کہ حرفوں کے مخارج سترہ ہیں:۔

✲ پہلا مخرج جوفِ دہن۔ اس سے الف، واؤ اور یاء مدہ ادا ہوتے ہیں۔

✲ دوسرا مخرج اقصیٰ حلق۔ اس سے ہمزہ اور ھاء نکلتے ہیں۔

✲ تیسرا مخرج وسط حلق۔ اس سے عین اور حاء ادا ہوتے ہیں۔

✲ چوتھا مخرج ادنیٰ حلق۔ اس سے غین اور خاء نکلتے ہیں۔

✲ پانچواں مخرج زبان کی جڑ اور اس کے مقابل اوپر کا تالو۔ اس سے قاف ادا ہوتا ہے۔

✲ چھٹا مخرج اس سے ذرا نیچے منہ کی طرف ہٹ کر۔ اس سے کاف نکلتا ہے۔

✲ ساتواں مخرج بیچ زبان اور اس کے مقابل اوپر کا تالو۔ اس سے جیم، شین اور یاء غیر مدہ ادا ہوتے ہیں۔

✲ آٹھواں مخرج زبان کی کروٹ اور اوپر کی ڈاڑھوں کی جڑیں۔ اس سے ضاد نکلتا ہے۔

✲ نواں مخرج نوکِ زبان مع کچھ حافہ اور ثنایا، رباعی، انیاب اور ضواحک کے مسوڑھے۔ اس سے لام ادا ہوتا ہے۔

✲ دسواں مخرج ثنایا، رباعی اور ناب کے مسوڑھے اور زبان کی نوک۔ اس سے نون نکلتا ہے۔

✲ گیارھواں مخرج نوکِ زبان مع سرا پشتِ زبان اور ثنایا اور رباعی کے مسوڑھے۔ اس سے راء ادا ہوتی ہے۔

✲ بارھواں مخرج ثنایا علیا کی جڑیں اور زبان کی نوک۔ اس سے طاء، دال اور تاء نکلتے ہیں۔

✲ تیرھواں مخرج زبان کی نوک اور ثنایا علیا کے اندر کے کنارے۔ اس سے ظاء، ذال اور ثاء ادا ہوتے ہیں۔

✲ چودھواں مخرج ثنایا علیا و سفلی کے اندر کے کنارے اور زبان کی نوک۔ اس سے صاد، سین اور زاء نکلتے ہیں۔

✲ پندرھواں مخرج نیچے کے ہونٹ کا شکم اور ثنایا علیا کی نوکیں۔ اس سے فاء ادا ہوتا ہے۔

✲ سولھواں مخرج دونوں ہونٹ۔ اس سے باء، میم اور واؤ نکلتے ہیں، البتہ باء اور میم تو ہونٹوں کے ملنے سے ادا ہوتے ہیں اور واؤ غنچہ کی طرح گول ہونے سے۔

✲ سترھواں مخرج ناک کی جڑ۔ اس سے غنہ ادا ہوتا ہے، فقط۔ ۱۲

پانچواں لمعہ[1]

جن کیفیتوں[2] سے حروف ادا ہوتے ہیں ان کیفیتوں کو صفات کہتے ہیں، اور وہ دو طرح کی ہیں:۔ ایک وہ کہ اگر وہ صفت ادا نہ ہو تو وہ حرف[3] ہی نہ رہے، ایسی صفت کو ذَاتِیَّہ[4] اور لَازِمَہ اور مُمَیِّزَہ اور مُقَوِّمَہ کہتے ہیں اور ایک وہ کہ اگر وہ صفت ادا نہ

حواشی لمعہ پنجم

[1] مخارج کے بعد اب اس لمعہ سے مصنف رحمہ اللہ تجوید کے دوسرے جز یعنی حرفوں کی صفات کا بیان شروع فرمارہے ہیں۔ صفات کی دو قسمیں ہیں:۔ (۱) لازمہ (۲) عارضہ۔ حرف کے صحیح ادا ہونے میں صفاتِ لازمہ کو چونکہ زیادہ دخل ہے، اس لئے پہلے اس پانچویں لمعہ میں یہی صفات بیان فرمائی ہیں اور پھر اسکے بعد کے لمعات میں صفاتِ عارضہ کی بحث لائے ہیں۔ علم تجوید میں صفاتِ لازمہ کی بحث سب سے زیادہ مشکل سمجھی گئی ہے، اس لئے معلمین کو چاہئے کہ سمجھانے میں بھی زیادہ محنت سے کام لیں۔۱۲

[2] یعنی حرفوں کی وہ حالتیں جو مخرج سے ادا ہوتے وقت ان کو پیش آتی ہیں۔ مثلاً حرف کا نرم، یا سخت، یا پُر، یا باریک ہونا وغیرہ وغیرہ۔ کتاب میں تفصیل آرہی ہے۔ بس حرف کی انہیں حالتوں کو مجودین صفات سے تعبیر کرتے ہیں۔۱۲

[3] اس کا مطلب یہ نہیں کہ ان صفات کے ادا نہ ہونے سے حرف کوئی اور چیز بن جاتا ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ حرفِ مطلوب ادا نہیں ہوتا اور دوسرے حرف سے بدل جاتا ہے۔ مثلاً ظاء میں اگر استعلا اور اطباق ادا نہ کی جائے تو ظاء، ظاء نہیں رہے گا بلکہ ذال سے بدل جائے گا۔ پس متن کی عبارت پڑھتے وقت لفظ "وہ" پر ذرا زور دینا چاہئے لفظ "حرف" پر نہیں، اگر ایسا کیا جائے گا تو حاشیہ کی یہ وضاحت بآسانی سمجھ میں آجائے گی۔۱۲

[4] ان صفات کے یہ القاب مختلف اعتبارات سے ہیں:۔ ذاتیہ اور مقومہ دونوں کے معنی تو

ہو تو حرف تو وہی[۵] رہے مگر اسکا حسن و زینت نہ رہے اور ایسی صفت کو مُحَسِّنَہْ[۶] مُزَيِّنَہْ، مُحَلِّيَہْ، عَارِضَہْ کہتے ہیں۔ پہلی قسم کی صفات[۷] سترہ ہیں :۔

تقریباً ایک ہی ہیں یعنی ایسی صفات جن کے ادا ہوئے بغیر حرف کی ذات کامل نہیں ہوتی، اور لازمہ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ ایسی صفات ہیں جو حرف میں ہمیشہ پائی جاتی ہیں اور ان سے کسی حالت میں بھی جدا نہیں ہوتیں، اور ممیّزہ ان کو اس لئے کہتے ہیں کہ ان کی وجہ سے ایک مخرج کے کئی حرف ایک دوسرے سے جدا ہو جاتے ہیں۔ ۱۲

[۵] یعنی جس کو ادا کرنا مقصود ہو اور کسی سے بدلے نہیں۔ ۱۲

[۶] محسنہ اور بعد والے دو لفظ یعنی مزینہ اور مُحَلِّیہ تینوں تقریباً ہم معنیٰ ہیں، یعنی حرفوں کو زینت دینے والی اور خوبصورت بنانے والی صفات، اور عارضہ مقابل ہے لازمہ کا، پس عارضہ کے معنیٰ یہ ہوں گے : ایسی صفات جو کبھی پائی جائیں اور کبھی نہ پائی جائیں۔ بعض حواشی میں ان صفات کو مُحَلِّيَہْ کہنے کی وجہ یہ بتلائی گئی ہے کہ یہ صفات حروف میں خاص موقعوں میں پائی جاتی ہیں، ان کے سوا دوسرے موقعوں میں نہیں پائی جاتیں۔ یہ توجیہ حاشیہ زینت الفرقان میں خود مصنف رحمۃ اللہ سے منقول ہے، مگر پہلی صورت میں میم کا ضمہ ہوگا اور دوسری صورت میں میم کا فتحہ، کیونکہ اس صورت میں یہ محل بمعنیٰ موقع ہوگا وَاللّٰہُ اَعْلَمُ۔ ۱۲

[۷] معلمین کو چاہئے کہ پہلے ان سترہ صفات کو کسی کاغذ پر مسلسل لکھوا کر لگاتار یاد کروا دیں۔ اس طرح کہ طلبہ ان سب کو ایک سانس میں فرفر سنا سکیں۔ پھر ان کے معنیٰ سمجھانے سے پہلے دو تین روز میں صفات کی لفظی بحث سمجھا دیں تب معنیٰ سمجھائیں، اور لفظی بحث کی تقریر اس طرح شروع کریں کہ :۔ جب تم ان سترہ صفتوں کے نام یاد کر چکے تو اب یہ سمجھو کہ ان کی دو قسمیں ہیں :۔ (۱) متضادّہ (۲) غیر متضادّہ۔ پس نمبر ایک تا دس یعنی ہمس سے اصمات تک، یہ دس تو متضادّہ ہیں اور صفیر سے استطالت تک کی سات غیر متضادّہ۔ پھر متضادّہ اور غیر متضادّہ کا مطلب سمجھائیں اور پھر یہ بتائیں کہ متضادّہ میں سے تو ہر حرف میں پانچ صفتیں ضرور پائی جاتی ہیں۔ اس طرح کہ دس متضادّہ کے پانچ جوڑے ہیں اور ہر جوڑے کی دو صفتوں میں سے ہر حرف میں

① هَمْس: اور جن حرفوں میں یہ صفت پائی جاوے ان کو مہموسہ[۸] کہتے ہیں۔ مطلب اس صفت کا یہ ہے کہ ان حرفوں کے ادا کرنے کے وقت آواز مخرج میں ایسے ضعف کیساتھ ٹھیرے کہ سانس جاری رہ سکے اور آواز میں ایک قسم کی پستی ہو اور ایسے حروف دس ہیں۔ جن کا مجموعہ یہ ہے : فَحَثَّهٗ شَخْصٌ سَكَتَ

② جَهْر: اور جن حرفوں میں یہ صفت پائی جاوے ان کو مجہورہ کہتے ہیں۔ مطلب اس صفت کا یہ ہے کہ ان حروف کے ادا کرنے کے وقت آواز مخرج میں ایسی قوت کے ساتھ ٹھیرے کہ سانس کا جاری رہنا بند ہو جاوے اور آواز میں ایک قسم کی بلندی[۹] ہو

ایک نہ ایک صفت ضرور پائی جاتی ہے۔ اور غیر متضادہ سب حرفوں میں نہیں پائی جاتیں، صرف چند حرفوں میں پائی جاتی ہیں۔ پھر حروف میں صفات معلوم کرنے کا طریقہ اچھی طرح سمجھادیں اور چند حرفوں میں اس طریقہ کا اجرا بھی کرا دیں۔ اگر مزید ضرورت محسوس ہو تو کتاب معلم التجوید سے مدد لے لیں۔ وہاں یہ بات تفصیل کے ساتھ درج ہے۔ جب یہ بات ان کے ذہن میں اچھی طرح آجائے تب ان صفتوں کے معنیٰ پڑھائیں، مگر معنیٰ سمجھانے میں لمبی چوڑی تقریر ہرگز نہ کریں، کیونکہ مبتدی کا ذہن جلدی مشوّش ہو جاتا ہے، بس مختصر اور سادہ لفظوں میں سمجھائیں۔ لمبی تقریروں کے لئے اگلی کتابوں میں موقع مل جائے گا۔۱۲

[۸] پس ہمس تو صفت ہے اور مہموسہ وہ حروف ہیں جن میں صفت ہمس پائی جاتی ہے۔ جیسا سیاہی، سرخی اور زردی وغیرہ، یہ تو رنگ ہیں اور سیاہ، سرخ، زرد، یہ وہ چیزیں ہیں جن میں یہ رنگ پائے جاتے ہیں۔ ایسے ہی جہر مجہورہ، شدت شدیدہ، رَخاوت رِخوہ، توسط متوسطہ، استعلاء مستعلیہ، استفال مستفلہ الیٰ آخرہٖ کے فرق کو اچھی طرح سمجھا دیا جائے۔ احقر کا مشاہدہ ہے کہ بہت سے طلبہ صفت اور موصوف کے نام میں فرق نہیں کر سکتے۔ اس لئے حاشیہ میں ہندی کی چندی کی گئی ہے۔۱۲

[۹] حروفِ مہموسہ کی آواز میں کس قسم کی پستی اور مجہورہ کی آواز میں کس قسم کی بلندی ہوتی

اور مہموسہ کے سوا باقی سب حروف مجہورہ ہیں، اور جہر وہمس دونوں صفتیں ایک دوسرے کے مقابل[۱۰] ہیں۔

۳ شِدَّت: اور جن حرفوں میں یہ صفت پائی جاوے ان کو شدیدہ کہتے ہیں۔ اور مطلب اس صفت کا یہ ہے کہ ان حرفوں کے ادا کرنے کے وقت آواز ان کے مخرج میں ایسی قوت کے ساتھ ٹھیرے کہ آواز بند[۱۱] ہو جاوے اور آواز میں ایک قسم کی سختی ہو اور ایسے حروف آٹھ ہیں جن کا مجموعہ یہ ہے: اَجِدُكَ قَطَبْتَ

۴ رِخْوَت: اور جن حرفوں میں یہ صفت پائی جاوے ان کو رِخوہ کہتے ہیں۔ اور مطلب اس صفت کا یہ ہے کہ ان حرفوں کے ادا کرتے وقت آواز ان کے مخرج میں ایسے ضعف کے ساتھ ٹھیرے کہ آواز جاری رہے اور آواز میں ایک قسم کی نرمی ہو اور شدیدہ اور

ہے، اسکا اندازہ دونوں قسموں کے حرفوں کو یکے بعد دیگرے ادا کر کے غور کرنے سے ہو سکتا ہے، بشرطیکہ ادا صحیح ہو۔ چنانچہ اگر تم اَثْ کی ثاء اور اِذْ کی ذال میں غور کرو گے تو ثاء کی آواز کچھ پست اور ذال کی آواز مقابلتاً کچھ بلند معلوم ہو گی۔ ۱۲

[۱۰] جیسا کہ ظاہر ہے، کیونکہ جن حرفوں میں ہمس پائی جاتی ہے ان میں جہر نہیں پائی جاتی اور ایسے ہی جن حرفوں میں جہر پائی جاتی ہے ان میں ہمس نہیں پائی جاتی۔ پھر ان کے مطلب میں غور کرو تو تمہیں ان کا مقابل ہونا اچھی طرح سمجھ میں آجائے گا، کیونکہ ہمس کی وجہ سے سانس جاری رہتا ہے اور جہر کی وجہ سے بند ہو جاتا ہے۔ پھر یہ کہ حروفِ مہموسہ کی آواز میں تو کچھ پستی ہوتی ہے اور اسکے مقابلے میں حروفِ مجہورہ کی آواز کچھ بلند ہوتی ہے۔ معلمین کو چاہئے کہ صفات متضادّہ کے باقی جوڑوں کی دو متقابل صفتوں کے فرق کو بھی اسی طرح سمجھاتے چلے جائیں

[۱۱] پس ہمس اور جہر کا اثر تو سانس پر پڑتا ہے کہ ہمس کی وجہ سے سانس جاری رہتا ہے اور جہر کی وجہ سے بند ہو جاتا ہے، شدت اور رخاوت کا اثر آواز پر پڑتا ہے کہ شدت کی وجہ سے آواز بند ہو جاتی ہے اور رخاوت کی وجہ سے جاری رہتی ہے۔ خوب سمجھ لو۔ ۱۲

متوسطہ کے سوا باقی سب حروف رِخوہ ہیں اور متوسطہ کا بیان ابھی آتا ہے اور ہمس اور جہر کی طرح شدت اور رخوت بھی ایک دوسرے کے مقابل ہیں اور ان دونوں صفتوں کے درمیان[۱۲] ایک صفت اور ہے :۔

✵ **تَوَسُّطْ**: اور جن حرفوں میں یہ صفت پائی جاوے ان کو مُتَوَسِّطَہْ اور بَیْنِیَّہْ کہتے ہیں۔ مطلب اس صفت کا یہ ہے کہ آواز اس میں نہ تو پوری طرح بند ہو اور نہ پوری طرح جاری ہو (حقیقۃ التجوید)۔ اور ایسے حروف پانچ ہیں، جن کا مجموعہ یہ ہے: لِنْ عُمَرُ اور اس توسط کو الگ صفت نہیں گنا جاتا کیونکہ اس میں کچھ شدت اور کچھ رِخوت ہے۔ پس یہ ان دونوں سے الگ نہ[۱۳] ہوئی۔

اور اس مقام پر ایک شبہ[۱۴] ہے، وہ یہ کہ حرفِ تاء اور کاف کو مہموسہ میں سے بھی شمار کیا

---

[۱۲] مطلب یہ ہے کہ یہ کوئی کامل صفت نہیں، نہ اس کو شدت کہہ سکتے ہیں نہ رَخاوت اور اسی لئے اسکو گنتی میں شمار بھی نہیں کیا گیا اور صفات متضادّہ گیارہ نہیں بتائی گئیں بلکہ دس بتائی گئی ہیں۔۱۲

[۱۳] مطلب یہ ہے کہ یہ کوئی ایسی کیفیت نہیں جو ان دونوں سے جدا ہو بلکہ انہی دونوں کا کچھ کچھ اثر اس کے حرفوں میں ہوتا ہے۔ پس یہ نہ شدتِ کاملہ ہے اور نہ رَخاوتِ کاملہ۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے حرفوں میں نہ شدت کی طرح آواز پوری طرح بند ہوتی ہے اور نہ رَخاوت کی طرح پوری طرح جاری ہوتی ہے۔۱۲

[۱۴] کاف و تاء میں آواز کے بند ہو جانے کے باوجود ان کو حروفِ مہموسہ میں شمار کرنے سے جو شبہ ہوتا ہے تو وہ کوئی حقیقی شبہ نہیں، بلکہ سطحی اور سرسری شبہ ہے۔ اس لئے کہ حقیقی شبہ تو جب ہو کہ شدت و ہمس میں ضدیت ہو، حالانکہ ایسا نہیں، کیونکہ ضدیت ہمس و جہر میں ہے یا شدت و رَخات میں۔ اس لئے کہ پہلی دو کا تعلق سانس کے ساتھ ہے، کہ ہمس کی وجہ سے تو سانس جاری رہتا ہے اور جہر کی وجہ سے بند ہو جاتا ہے، اور دوسری دو کا تعلق آواز کے

ہے حالانکہ ان میں آواز بند ہو جاتی ہے اور اسی واسطے ان کو شدیدہ میں شمار کیا گیا ہے؟

اسکا جواب یہ ہے کہ ان دونوں حرفوں میں ہمس ضعیف ہے اور شدت قوی ہے، سو شدت کے قوی ہونے سے تو آواز بند ہو جاتی ہے لیکن کسی قدر ہمس ہونے سے بعد بند ہونے کے کچھ تھوڑا سا سانس بھی جاری ہوتا ہے مگر اس سانس کے جاری ہونے میں یہ احتیاط رکھنی چاہئے کہ آواز جاری نہ ہو[۱۵] کیونکہ اگر آواز جاری کی جاوے گی تو کاف وتاء شدیدہ نہ رہیں گے بلکہ رِخوہ ہو جاویں گے اور دوسرے اس میں ھاء کی آواز پیدا ہو کر غلط ہو جاوے گا۔

ساتھ ہے، کہ شدت کی وجہ سے آواز بند ہو جاتی ہے اور رَخاوت کی وجہ سے جاری رہتی ہے۔ البتہ ہمس و شدت کے جمع ہونے سے بادی النظر میں شبہ ضرور ہوتا ہے۔ اس لئے کہ ذہن اس طرف منتقل ہو جاتا ہے کہ آواز کا بند ہو جانا اور سانس کا جاری رہنا، یہ دونوں کیفیتیں جمع نہیں ہوسکتیں! نیز یہ کہ شدت قوی ہے اور ہمس ضعیف! سو مصنف رحمہ اللہ نے یہاں اسی شبہ کا جواب دیا ہے کہ پہلے تو شدت کی قوت کی وجہ سے آواز بند ہو جاتی ہے اور پھر ہمس کی وجہ سے تھوڑا سا سانس جاری ہوتا ہے۔ اور مطلب اس کا یہ ہے کہ دونوں صفتوں کے ادا ہونے کا زمانہ ایک نہیں کہ شبہ پیدا ہو، بلکہ شدت ایک آن میں ادا ہوتی ہے اور ہمس دوسری آن میں۔ اس لئے ان کے جمع ہونے میں کوئی اشکال نہیں وَاللّٰہُ اَعْلَمُ۔

[۱۵] وہ ہوا جو انسان کے اندر سے بتقاضائے طبیعت یعنی خود بخود خارج ہوتی ہے، اگر وہ اتنی لطیف ہو کہ سنائی نہ دے تو اس کو سانس کہتے ہیں، اور اگر وہ مُتموّج ہونے کیوجہ سے مسموع ہو تو اس کو آواز کہتے ہیں۔ پس مطلب مصنف رحمہ اللہ کا یہ ہے کہ کاف وتاء میں شدت کی وجہ سے آواز کے بند ہو جانے کے بعد صرف ذرا سا سانس ہی جاری ہونا چاہئے یعنی بہت ہی لطیف قسم کی ہوا اور وہ بھی کم مقدار میں خارج ہونی چاہئے اور اس ہوا کے ساتھ آواز پیدا نہیں ہونی چاہئے، کیونکہ اگر آواز بھی پیدا ہو جائے گی تو یہ حروف شدیدہ نہ رہیں گے بلکہ رخوہ ہو جائیں گے، اس لئے کہ آواز کا جاری ہونا حروفِ رخوہ ہی کا خاصہ ہے وَاللّٰہُ اَعْلَمُ

⑤ اِسْتِعْلَاء: اور جن حرفوں میں یہ صفت پائی جاوے ان کو مستعلیہ کہتے ہیں اور مطلب اس صفت کا یہ ہے کہ ان حروف کے ادا کرنے کے وقت ہمیشہ[16] جڑ زبان کی اوپر کے تالو کی طرف اٹھ جاتی ہے جس کی وجہ سے یہ حرف موٹے ہو جاتے ہیں اور ایسے حروف سات ہیں۔ جن کا مجموعہ یہ ہے: خُصَّ ضَغْطٍ قِظْ

⑥ اِسْتِفَال: اور جن حرفوں میں یہ صفت پائی جاوے ان کو مستفلہ کہتے ہیں اور مطلب اس صفت کا یہ ہے کہ ان حروف کے ادا کرنے کے وقت زبان کی جڑ اوپر کے تالو کی طرف نہیں اٹھتی، جس کی وجہ سے یہ حروف باریک رہتے ہیں، اور مستعلیہ کے سوا باقی سب حروف مستفلہ ہیں، اور یہ دونوں صفتیں استعلاء اور استفال بھی ایک دوسرے کے مقابل ہیں۔

⑦ اِطْبَاق[17]: اور جن حروف میں یہ صفت پائی جاوے ان کو مُطْبَقَہْ کہتے ہیں اور مطلب اس صفت کا یہ ہے کہ ان حروف کے ادا کرنے کے وقت زبان کا بیچ اوپر کے تالو سے مُلْصَق ہو جاتا ہے۔ یعنی لپٹ جاتا ہے، اور ایسے حروف چار ہیں:۔ ص ض ط ظ

⑧ اِنْفِتَاح[18]: اور جن حروف میں یہ صفت ہو ان کو منفتحہ کہتے ہیں، اور مطلب

---

[16] کیونکہ یہ صفت لازمہ ہے، اور لازمہ ایسی ہی صفت کو کہتے ہیں جو حروف میں ہمیشہ اور ہر حال میں پائی جائے۔ ۱۲

[17] جس طرح استعلاء کی وجہ سے حرف پُر ہوتا ہے اسی طرح اطباق کی وجہ سے بھی پُر ہی ہوتا ہے، مگر چونکہ ہر حرفِ مطبقہ مستعلیہ بھی ہوتا ہے اس لئے حروفِ مطبقہ مستعلیہ بہ نسبت منفتحہ مستعلیہ کے زیادہ پُر ہوتے ہیں۔ ۱۲

[18] انفتاح کی وجہ سے بھی استفال کی طرح حرف باریک ہی ادا ہوتا ہے، مگر چونکہ بعض

اس صفت کا یہ ہے کہ ان حروف کے ادا کرنے کے وقت زبان کا بیچ اوپر کے تالو سے جدا رہتا ہے، خواہ زبان کی جڑ تالو سے لگ جاوے جیسے قاف میں لگ جاتی ہے خواہ نہ لگے (جهد المقل مع الشرح)۔ اور مطبقہ کے سوا سب حروف منفتحہ ہیں اور یہ دونوں صفتیں اطباق وانفتاح بھی ایک دوسرے کے مقابل ہیں۔

⑨ **اِذْلَاق**[۱۹]: اور جن حروف میں یہ صفت پائی جاوے ان کو مذلقہ کہتے ہیں۔ اور مطلب اس صفت کا یہ ہے کہ یہ حروف زبان اور ہونٹ کے کنارہ سے بہت سہولت کے ساتھ جلدی سے ادا ہوتے ہیں، اور ایسے حروف چھ ہیں، جن کا مجموعہ یہ ہے :۔ فَرَّ مِنْ لُبِّ یعنی ان میں جو حروف شفویہ ہیں وہ ہونٹ کے کنارہ سے ادا ہوتے ہیں اور شفویہ کا مطلب مخرج نمبر ۱۶ میں گزرا ہے، اور جو شفویہ نہیں وہ زبان کے کنارے سے ادا ہوتے ہیں۔ (درة الفريد للشيخ الدهلوى رحمه الله)

⑩ **اِصْمَات**: اور جن حروف میں یہ صفت پائی جاوے ان کو مصمتہ کہتے ہیں اور مطلب اس صفت کا یہ ہے کہ یہ حروف اپنے مخرج سے مضبوطی اور جماؤ کیساتھ ادا ہوتے ہیں، آسانی اور جلدی سے ادا نہیں ہوتے، اور مذلقہ کے سوا سب حروف مصمتہ ہیں، اور یہ دونوں صفتیں اذلاق واصمات بھی ایک دوسرے کے مقابل ہیں۔

حروفِ منفتحہ، مستعلیہ بھی ہیں جیسا کہ غین، خاء اور قاف، اس لئے استعلاء کی وجہ سے ان حرفوں میں بھی ایک درجہ کی تفخیم آجاتی ہے۔ پس جو حروف مستعلیہ بھی ہیں اور مطبقہ بھی وہ تو خوب پُر ہوں گے اور جو نہ مستعلیہ ہیں نہ مطبقہ وہ بالکل باریک پڑھے جائیں گے، اور جو مستعلیہ تو ہیں لیکن مطبقہ نہیں وہ پُر تو ہوں گے لیکن مستعلیہ مطبقہ سے کم۔۱۲

[۱۹] اذلاق اور اصمات کے متعلق جو کچھ متن کتاب میں لکھا ہے فی الحال اسی کو یاد کرلینا کافی ہے اور ان سے متعلق بحث اگلی کتابوں میں آجائے گی۔۱۲

ان دس صفات کو "صفاتِ متضادّہ" کہتے ہیں، کیونکہ ایک دوسرے کی ضد یعنی مقابل ہے جیسا کہ اوپر بتلاتا گیا ہوں۔ آگے جو صفات آتی ہیں وہ غیر متضادّہ کہلاتی ہیں اور جاننا[۲۰] چاہئے کہ صفاتِ متضادّہ سے تو کوئی حرف بچا ہوا نہیں رہتا، بلکہ جتنے حروف ہیں ہر حرف پر مقابل صفتوں میں سے کوئی نہ کوئی صفت صادق آوے گی، اور صفاتِ غیر متضادّہ بعض حروف میں ہوں گی اور بعض میں نہ ہوں گی اور وہ صفاتِ غیر متضادّہ یہ ہیں :۔

⑪ **صَفِیْر**[۲۱]: اور جن حروف میں یہ صفت پائی جاوے ان کو صفیریہ کہتے ہیں۔ اور مطلب اس صفت کا یہ ہے کہ ان کے ادا کے وقت ایک آواز تیز مثل سیٹی کے نکلتی ہے اور ایسے حروف تین ہیں :۔ ص ز س

⑫ **قَلْقَلَہ**: اور جن حروف میں یہ صفت پائی جاوے ان کو حروفِ قلقلہ کہتے ہیں اور مطلب اس صفت کا یہ ہے کہ حالتِ سکون[۲۲] میں ان کے ادا کے وقت مخرج کو

---

[۲۰] حاشیہ نمبر۷ کے ضمن میں ہم معلمین کو یہ مشورہ دے چکے ہیں کہ صفات لازمہ کے معنیٰ سمجھانے سے پہلے طلبہ کو ان صفات کی لفظی بحث اچھی طرح سمجھا دیں، بس اسی بحث کو مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں نہایت ہی مختصر انداز میں بیان فرمایا ہے۔۱۲

[۲۱] صفیر کا مطلب تو متن میں بیان ہو ہی چکا ہے، یہ صفت ان حرفوں میں ایسی ظاہر اور مشہور ہے کہ اگر یہ ادا نہ ہو تو حرف ایسے ناقص ادا ہوتے ہیں کہ علم تجوید سے معمولی واقفیت رکھنے والا بھی اس نقصان کو محسوس کر لیتا ہے۔۱۲

[۲۲] حروفِ قلقلہ جب سکون کی حالت میں ادا ہوتے ہیں تو دوسرے حرفوں کی طرح ان کی آواز میں جماؤ اور قرار نہیں ہوتا بلکہ ایک قسم کا اضطراب سا ہوتا ہے۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ جب ان حرفوں کے ادا ہوتے وقت ایک عضو دوسرے عضو سے ملتا ہے تو ملنے کے بعد پھر جدا بھی ہو جاتا ہے، تو اس جدا ہونے کی وجہ سے سکون کی حالت میں بھی حرکت کی سی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ پس اہل فن اسی کیفیت کو قلقلہ سے تعبیر کرتے ہیں۔

حرکت ہو جاتی ہے، اور ایسے حروف پانچ ہیں۔ جن کا مجموعہ قُطْبُ جَدٍّ ہے۔

(۱۳) لِیْن: اور جن حروف میں یہ صفت پائی جاوے ان کو حروفِ لین کہتے ہیں اور مطلب اس صفت کا یہ ہے کہ ان کو مخرج سے ایسی نرمی[۲۳] کے ساتھ ادا کیا جاتا ہے کہ اگر کوئی ان پر مد کرنا چاہے تو کر سکے، اور ایسے حروف دو ہیں:۔ واؤ ساکن اور یاء ساکن جبکہ ان سے پہلے والے حرف پر فتحہ یعنی زبر[۲۴] ہو جیسے خَوْفٍ ۝ وَالصَّیْفِ ۝

(۱۴) اِنْحِرَاف[۲۵]: اور جن حروف میں یہ صفت پائی جاوے ان کو مُنْحَرِفَہ کہتے

مولانا نے جو یہ فرمایا ہے کہ ان کے ادا ہوتے وقت مخرج کو حرکت ہو جاتی ہے، تو اس حرکت سے مراد بھی دو عضووں کا آپس میں ملنے کے بعد جدا ہو جانا ہی ہے، اور چونکہ اس کیفیت کا احساس سکون ہی کی حالت میں ہوتا ہے، اس لئے مصنف رحمہ اللہ نے حالتِ سکون کا ذکر خصوصیت کے ساتھ فرمایا ہے۔ ورنہ جیسا کہ معلوم ہی ہے کہ قلقلہ صفات لازمہ میں سے ہے، ہاں یہ بھی ملحوظ رہے کہ حروفِ قلقلہ سب کے سب مجہورہ شدیدہ ہیں، اس لئے قلقلہ کی آواز قوی اور بلند ہونی چاہئے۔ ۱۲

[۲۳] ظاہر ہے کہ ان حرفوں میں مد جب ہی کیا جا سکتا ہے کہ ان کو نہایت نرم ادا کیا جائے ورنہ کشش کی کیفیت پیدا نہیں ہو سکے گی۔ معلمین کو چاہئے کہ ادا کر کے سمجھادیں۔ ۱۲

[۲۴] پس اگر واؤ ساکن اور یاء ساکن سے پہلے فتحہ نہ ہو، یا یہ دونوں سرے سے ساکن ہی نہ ہوں تو ان دونوں صورتوں میں ان کے اندر صفت لین نہ ہوگی، اس لئے کہ صفت لین حروفِ لین ہی میں پائی جاتی ہے اور یہ دونوں حروفِ لین اسی وقت کہلاتے ہیں جب یہ ساکن ہوں اور ماقبل مفتوح ہو۔ اس سے وہ شبہ بھی جاتا رہا کہ جب لین صفات لازمہ میں سے ہے تو پھر یہ ان میں صرف اس ایک حالت ہی میں کیوں پائی جاتی ہے فَتَدَبَّر۔ ۱۲

[۲۵] یہ صفت بہت ہی غیر واضح سی ہے۔ اس وقت تو متن کی عبارت ہی یاد کر لو، اس کی مزید تحقیق اگلی کتابوں میں انشاء اللہ آجائے گی۔

ہیں اور وہ دو حرف ہیں :۔ لام اور راء۔ اور مطلب اس صفت کا یہ ہے کہ ان کے ادا کے وقت لام میں تو زبان کے کنارہ کی طرف اور راء میں کچھ زبان کی پشت کی طرف اور کچھ لام کے موقع کی طرف میلان پایا جاوے۔ (درۃ الفرید)

⑮ تَکْرِیْر[۲۶]: اور یہ صفت[۲۷] صرف راء میں پائی جاتی ہے۔ اور مطلب اس صفت

---

[۲۶] اور اس کو تکرار بھی کہتے ہیں، پھر یہ سمجھنا چاہئے کہ تکرار دو طرح کا ہے:۔

① تکرارِ حقیقی ② مشابہتِ تکرار۔

* تکرارِ حقیقی کا مطلب تو یہ ہے کہ بجائے ایک راء کے دو اور بجائے دو کے چار راء ہوں۔
* مشابہتِ تکرار یہ ہے کہ راء تو ایک ہی ہو لیکن اس کو اس طرح نرم ادا کیا جائے کہ یوں محسوس ہو کہ حرف گویا دہرا ادا ہو رہا ہے۔

پھر یہ سمجھو کہ راء کے اندر جو صفت ادا ہونی چاہئے اور جو اس کیلئے لازم ہے وہ مشابہتِ تکرار کی صفت ہے، اور تکرارِ حقیقی صفتِ احترازی ہے۔ یعنی اس سے بچنا چاہئے۔

چنانچہ متن میں پہلے تو تکرار کو صفات لازمہ کے سلسلے میں بیان کیا ہے اور راء کے لئے اس کو ثابت فرمایا ہے۔ || جیسا کہ فرماتے ہیں:۔"تکریر اور یہ صفت صرف راء میں پائی جاتی ہے"۔ || پھر اس کا مطلب بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں :۔" کہ چونکہ اس کے ادا کرنے کے وقت زبان میں ایک رعشہ یعنی لرزہ ہوتا ہے، اس لئے اس وقت آواز میں تکرار کی مشابہت ہو جاتی ہے"۔ پس اس کا مطلب یہی ہوا کہ جو تکرار راء میں پایا جاتا ہے اس سے مراد مشابہتِ تکرار ہے۔ || پھر فرماتے ہیں:۔"اور یہ مطلب نہیں کہ اس میں تکرار ظاہر کیا جاوے بلکہ اس سے بچنا چاہئے"۔ تو اس کا مطلب یہی ہوا کہ یہ تکرار جس سے بچنے کی ہدایت فرما رہے ہیں، مشابہتِ تکرار نہیں بلکہ تکرارِ حقیقی ہے، کیونکہ مشابہتِ تکرار کو اوپر خود تسلیم فرما چکے ہیں وَاللّٰہُ اَعْلَمُ۔۱۲

[۲۷] اور اس صفت کی وجہ سے راء کو مکرّرہ کہتے ہیں۔ جیسا کہ ہمس کی وجہ سے مہموسہ اور

کا یہ ہے کہ چونکہ اس کے ادا کرنے کے وقت زبان میں ایک رعشہ یعنی لرزہ[۲۸] ہوتا ہے اس لئے اس وقت آواز میں تکرار کی مشابہت ہو جاتی ہے اور یہ مطلب نہیں کہ اس میں تکرار ظاہر کیا جاوے بلکہ اس سے بچنا چاہئے اگرچہ اس پر تشدید[۲۹] بھی ہو کیونکہ وہ پھر بھی ایک ہی حرف ہے، کئی حرف تو نہیں ہیں۔ (درة الفريد ملخصًا)

[۱۶] تَفَشِّی[۳۰]: اور یہ صفت صرف شین کی ہے اور مطلب اس کا یہ ہے کہ اس کی ادا میں آواز منہ کے اندر پھیل[۳۱] جاتی ہے۔ (درة الفريد)

[۱۷] اِسْتِطَالَت[۳۲]: اور یہ صفت صرف ضاد کی ہے مطلب اس کا یہ ہے کہ اسکے ادا میں شروعِ مخرج سے آخر مخرج تک یعنی حافۂ زبان کے شروع سے حافۂ زبان کے آخر

جہر کی وجہ سے مجہورہ وغیرہ وغیرہ۔۱۲

[۲۸] اس لرزہ سے حقیقی لرزہ مراد نہیں، کیونکہ اس سے تو حقیقی تکرار پیدا ہوتا ہے، بلکہ اس لرزہ سے مراد یہ ہے کہ سرا زبان تالو کے ساتھ اس قوت اور سختی کے ساتھ نہیں چمٹتا جس قوت اور سختی کے ساتھ طاء وغیرہ کے ادا ہوتے وقت چمٹتا ہے، اور جس کی وجہ سے آواز مخرج میں بند ہو کر رہ جاتی ہے۔ پس حقیقی لرزہ سے بھی اور سرا زبان کو تالو کے ساتھ چمٹانے میں مبالغہ کرنے سے بھی، دونوں ہی باتوں سے اجتناب کرنا چاہئے۔۱۲

[۲۹] کیونکہ حالتِ تشدید میں زبان میں لرزہ پیدا ہو کر حقیقی تکرار کے پیدا ہو جانے کا احتمال زیادہ ہوتا ہے۔ اس لئے مصنف رحمہ اللہ نے اس کی طرف خصوصی توجہ دلائی ہے۔۱۲

[۳۰] اس صفت کی وجہ سے شین کو متفشی یا حرفِ تفشی کہتے ہیں۔

[۳۱] مگر شین کے ادا کرتے وقت اس بات کا خیال رکھنا چاہئے کہ زبان کی نوک اوپر کو اٹھنے نہ پائے، ورنہ شین پُر ہو جائے گا، اور یہ غلط ہے۔۱۲

[۳۲] اس صفت کی وجہ سے ضاد کو حرفِ مستطیل کہتے ہیں۔۱۲

تک[۳۳] آواز کو امتداد رہتا ہے[۳۴]۔ یعنی اس کا مخرج جتنا طویل ہے پورے مخرج میں آواز جاری رہنے سے آواز بھی طویل ہو جاتی ہے۔ (جهد المقل ملخصًا)

فائدہ نمبر ①: اگر کسی کو شبہ ہو کہ یہ سات صفات جو اخیر کی ہیں جن حروف میں یہ صفات نہ ہوں ان میں ان کی ضد ضرور ہوگی، مثلاً ض میں استطالت ہے تو باقی سب حروف میں عدمِ استطالت ہوگی، تو یہ دونوں ضد ملکر بھی سب کو شامل ہو گئیں[۳۵]، پھر صفاتِ متضادّہ وغیر متضادّہ میں کیا فرق رہا؟ جواب اسکا یہ ہے کہ یہ تو صحیح ہے[۳۶] مگر صفاتِ

[۳۳] اگر اس مضمون کو یوں ادا کیا جائے: [کہ ناجذ مع حافہ زبان سے شروع ہو کر ضاحک مع حافہ زبان تک] تو یہ تعبیر زیادہ مناسب ہے، کیونکہ اس میں مخرج کے دونوں جز آجاتے ہیں۔

[۳۴] یعنی درازی، اور مطلب اس درازی کا یہ ہے کہ ضاد کا مخرج چونکہ تمام مخرجوں میں اَطوَل (زیادہ لمبا) ہے اس لئے اس کی آواز میں بھی درازی پائی جاتی ہے اور ظاء کی آواز کی طرح قصیر نہیں ہوتی، اور استطالت ہی ایک ایسی صفت ہے جو ظاء اور ضاد میں مُمیِّز ہے، ورنہ باقی تمام صفات میں یہ دونوں شریک ہیں، اس لئے دونوں کی آوازیں بھی بہت حد تک باہم متشابہ اور ملتی جلتی ہیں۔

[۳۵] مطلب مؤلف کا یہ ہے کہ اگر یہ شبہ گزرے کہ جس طرح صفات متضادّہ کا ہر جوڑا سب حرفوں میں شامل ہوتا ہے، اس طرح کہ ہر حرف میں اس کی دو صفتوں میں سے ایک نہ ایک ضرور پائی جاتی ہے۔ اس طرح استطالت وعدمِ استطالت یہ دونوں ملکر بھی ایک جوڑا ہو جاتا ہے اور متضادّہ کی طرح یہ بھی تمام حرفوں کو شامل ہو جاتی ہیں کہ اگر ایک حرف میں استطالت ہے تو باقی اٹھائیس حرفوں میں عدمِ استطالت، تو اب متضادّہ اور غیر متضادّہ میں کوئی فرق نہ رہا، تو پھر اصطلاح کیوں بدلی گئی کہ ہمس وجہر وغیرہ کو تو متضادّہ کہا گیا ہے اور استطالت وصفیر وغیرہ کو غیر متضادّہ۔ ۱۲

[۳۶] یعنی یہ بات کہ استطالت وعدمِ استطالت یا قلقلہ اور عدمِ قلقلہ وغیرہ مل کر ایک جوڑا

متضادّہ میں ہر صفت کی ضد کا کچھ نہ کچھ نام بھی تھا[۳۷] اور ان دونوں ناموں میں سے ہر حرف پر کوئی نہ کوئی صادق[۳۸] آتا تھا، اور چونکہ یہاں ضد کا نام نہیں اس لئے اس ضد کے صادق آنے کا اعتبار نہیں کیا گیا، دونوں صفات میں یہ فرق ہوا[۳۹]۔

فائدہ[۴۰] نمبر②: محض مخارج وصفات حروف کے دیکھ کر اپنی ادا کے صحیح ہونے کا یقین نہ کر بیٹھے، اس میں ماہر مَشّاق استاد کی ضرورت ہے۔ البتہ جب تک ایسا استاد میسر نہ ہو، بالکل کورا ہونے سے کتابوں ہی سے کام چلانا غنیمت ہے۔

فائدہ نمبر③ اس لمعہ کے شروع میں صفت لازمہ ذاتیہ کی تعریف میں لکھا گیا ہے کہ اگر وہ صفت ادا نہ ہو تو وہ حرف ہی نہ رہے، یہ حرف نہ رہنا کئی طرح ہے:-

ہو جاتا ہے اور سب کو شامل بھی ہو جاتا ہے۔۱۲

[۳۷] جیسا کہ ہمس کی ضد کا نام جہر اور اذلاق کی ضد کا نام اصمات ہے وغیرہ وغیرہ۔۱۲

[۳۸] مثلاً فلاں فلاں حرف مہموسہ ہے اور فلاں فلاں مجہورہ، یا فلاں فلاں مستعلیہ ہے اور فلاں فلاں مستفلہ۔۱۲

[۳۹] یعنی یہ کہ صفات متضادّہ میں تو دونوں ضدّوں کا نام واقعتاً ہوتا ہے لیکن غیر متضادّہ میں کسی مقابل صفت کا نام نہیں ہوتا۔ چنانچہ شدت کے مقابلہ میں رَخاوت کا نام تو ہے لیکن قلقلہ کے مقابلہ میں کسی صفت کا نام نہیں جس کو ہم قلقلہ کی ضد کہہ سکیں، خوب سمجھ لو۔۱۲

[۴۰] اس فائدہ کے ضمن میں مصنف رحمہ اللہ نے اس حقیقت کو بیان فرمایا ہے کہ تجوید صرف کتابوں ہی کے پڑھ لینے سے حاصل نہیں ہو جاتی بلکہ یہ فن اساتذہ کی زبان سے سننے اور پھر اس کے موافق ادا کرنے کی مشق سے حاصل ہوتا ہے۔ ہاں جب تک استاد میسر نہ آسکے اس وقت تک کتابوں ہی سے استفادہ کرتا رہے تاکہ اگر عمل نہیں تو کم از کم علم سے محروم تو نہ رہے۔۱۲

✽ ایک یہ کہ دوسرا حرف ہو جاوے [۴۱]

✽ ایک یہ کہ رہے تو وہی مگر اس میں کچھ کمی اور نقصان آجاوے [۴۲]

✽ ایک یہ کہ وہ کوئی عربی حرف نہ رہے کوئی حرفِ مخترع ہو جاوے [۴۳]

✽ اور یہی حال ہے صحیح مخارج سے [۴۴] نہ نکالنے کا، کہ کبھی دوسرا [۴۵] حرف ہو جاتا ہے کبھی اس حرف میں کچھ کمی ہو [۴۶] جاتی ہے، کبھی بالکل ہی حرفِ مخترع بن [۴۷] جاتا ہے۔

[۴۱] مثلاً اگر صاد میں استعلاء اور اطباق ادا نہ کی جائیں تو وہ سین ہو جائے گا، جیسا کہ عَصٰی کی بجائے عَسٰی اور یہی حال طاء اور ظاء کا بھی ہے کہ ان صفتوں کے ان میں ادا نہ کرنے سے طاء تاء اور ظاء ذال ہو جاتا ہے۔۱۲

[۴۲] مثلاً اگر قاف، غین اور خاء میں صفت استعلاء ادا نہ کی جائے تو یہ حروف باریک ہوکر نہایت ناقص ادا ہوں گے۔۱۲

[۴۳] مخترع سے مراد غیر عربی حرف ہے، جس کو ج اور ب عربی کا، فارسی کی چ اور پ کے ساتھ مقابلہ کر کے سمجھایا جاسکتا ہے، چنانچہ رَبَّكَ جیسی مثالوں میں احقر کا مشاہدہ ہے کہ بعض اس کی باء میں پ کی آمیزش کر دیتے ہیں وَاللّٰہُ اَعْلَمُ۔۱۲

[۴۴] ظاہر ہے کہ جب صفات کی رعایت نہ رکھنے سے حرف کی ادا میں اتنی بھاری غلطی ہو جاتی ہے تو صحیح مخارج نہ نکالنے کی صورت میں تو اس کا امکان اور بھی زیادہ ہے۔۱۲

[۴۵] مثلاً قاف کو اگر زبان کی جڑ کے شروع سے نکالنے کی بجائے ذرا نیچے سے نکالا جائے تو ظاہر ہے کہ بجائے قاف کے کاف ادا ہو جائے گا۔۱۲

[۴۶] مثلاً ضاد کی ادائیگی میں حافہ کو اگر بجائے پانچ داڑھوں کے چار یا تین داڑھوں سے لگایا جائے تو ظاہر ہے کہ اس سے حرف میں مخرج کے لحاظ سے کمی ہو جائے گی۔۱۲

[۴۷] حرف کس طرح مخترع ہو جاتا ہے؟ یہ بات سمجھانے کے لئے ان تمام حرفوں کو مثال میں پیش کیا جاسکتا ہے جن میں صفت یا مخرج کا لحاظ نہ رکھنے سے حرف عجمی ہو جاتا ہے:۔ باء جیم اور کاف میں یہ غلطی اکثر ہے، کیونکہ جس طرح باء میں پ کا اور جیم میں چ کا اثر آجاتا ہے

چونکہ ایسی غلطی[۴۸] سے بعض دفعہ نماز جاتی رہتی ہے، اس لئے اگر ایسی غلطی ہو جاوے تو خاص اس موقع سے اطلاع دے کر کسی معتبر عالم[۴۹] سے مسئلہ پوچھ لینا ضروری ہے۔ اسی طرح زیر زبر یا گھٹاؤ بڑھاؤ کی غلطیوں کا بھی یہی حکم[۵۰] ہے، جس کی مثالیں دوسرے لمعہ میں مذکور ہیں ان کو بھی کسی عالم سے پوچھ لیا کریں۔

فائدہ نمبر ۴ حروف کے مخارج اور صفات لازمہ میں کوتاہی ہونے سے جو غلطیاں ہوتی ہیں، فن تجوید کا اصل مقصود[۵۱] ان ہی غلطیوں سے بچنا ہے، اسی واسطے مخارج اور صفات کا بیان سب قاعدوں سے مقدم[۵۲] کیا گیا ہے۔ اب آگے جو صفات محسنہ

اسی طرح قاف میں بھی کاف کا اثر آجاتا ہے جیسا کہ مشاہدہ شاہد ہے۔ ۱۲

[۴۸] یعنی جو حرف کو صحیح مخرج سے نہ نکالنے یا اسکی صفات لازمہ کے ادا نہ کرنے کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے، جسکی اوپر بہت سی مثالیں اس سے پہلے کے مسلسل کئی حواشی میں گزر چکی ہیں۔ ۱۲

[۴۹] یعنی فقیہ سے، کیونکہ نماز کے ٹوٹنے اور نہ ٹوٹنے کے مسائل کتبِ فقہ میں ہی مذکور ہوتے ہیں۔ ۱۲

[۵۰] یعنی ان غلطیوں سے بھی بعض دفعہ نماز ٹوٹ جاتی ہے، کیونکہ یہ بھی لحن جلی میں داخل ہیں۔ جیسا کہ دوسرے لمعہ میں گزر چکا ہے۔ ۱۲

[۵۱] اس لئے کہ یہ بھاری غلطیاں ہیں، کیونکہ ان سے لفظ اور معنیٰ دونوں، ورنہ کم از کم لفظ تو ضرور ہی متاثر ہو جاتا ہے، جن کی صورتیں اور مثالیں دوسرے لمعہ میں بیان ہو چکی ہیں۔ ۱۲

[۵۲] یعنی ان سب قاعدوں سے جن کا تعلق حروف کی ادا سے ہے۔ ورنہ تجوید کی تعریف لحن کی صورتیں، اعوذ اور بسم اللہ پڑھنے کا موقعہ، یہ چیزیں تو مخارج اور صفات سے بھی پہلے بیان کی گئی ہیں اور مخارج اور صفات کو دوسرے سب قاعدوں پر جو مقدم کیا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ انہی دو چیزوں کی تصحیح کی بدولت لحن جلی سے بچا جا سکتا ہے اور لحن جلی سے بچنا تجوید کا مقصد اعظم ہے۔

کے متعلق قاعدے آویں گے وہ اس مقصودِ مذکور سے دوسرے درجہ پر ہیں[۵۳]، لیکن اب عام طور سے ان دوسرے درجہ کے قاعدوں کی رعایت اس اصلی مقصود سے زیادہ کی جاتی ہے، جس کی وجہ یہ ہے کہ ان قاعدوں سے نغمہ خوش نما ہو جاتا ہے[۵۴] اور لوگ نغمہ ہی کا زیادہ خیال کرتے ہیں، اور مخارج و صفات لازمہ کو نغمہ میں کوئی دخل نہیں، اس لئے اسکی طرف توجہ کم کرتے ہیں۔

فائدہ نمبر۵ جس طرح یہ بے پروائی کی بات ہے کہ تجوید میں کوشش نہ کرے اسی طرح یہ بھی زیادتی ہے کہ تھوڑے سے قاعدے یاد کر کے اپنے کو کامل سمجھنے لگے اور دوسروں کو حقیر، اوران کی نماز کو فاسد جاننے لگے یا کسی کے پیچھے نماز ہی نہ پڑھے[۵۵] محقق عالموں نے عام مسلمانوں کے گنہگار ہونے اوران کی نمازوں کے درست نہ ہونے

[۵۳] کیونکہ ان کی رعایت نہ رکھنے سے لحن جلی لازم نہیں آتی، صرف لحن خفی لازم آتی ہے۔۱۲

[۵۴] صفات عارضہ سے نغمہ اس لئے خوشنما ہو جاتا ہے کہ ان میں بعض صفات مثلاً غنہ اور مد ایسی ہیں جن کی وجہ سے آواز میں ترنم پیدا کرنے کی گنجائش ہوتی ہے بخلاف صفات لازمہ کے، کہ وہ چونکہ حروف کی ذات کے ساتھ ہی ادا ہو جاتی ہیں اس لئے ان میں یہ گنجائش نہیں ہوتی، اور مخارج کا نغمہ میں داخل نہ ہونا تو ظاہر ہی ہے، لیکن اس گنجائش سے غلط فائدہ اٹھا کر ترنم میں ایسا مبالغہ کرنا جس سے غنوں کی مقدار میں توازن قائم نہ رہ سکے، یا حرفِ مدہ کی آواز میں جھٹکے لگنے سے ہمزات پیدا ہو جائیں، یہ سب باتیں معیوب اور غلط ہیں۔۱۲

[۵۵] مصنف رحمۃ اللہ علیہ چونکہ صرف قاری اور عالم ہی نہیں تھے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ اصلاحِ باطن میں بھی اللہ تعالیٰ نے آپ کو کمال بخشا تھا۔ اس لئے وہ طلبائے تجوید کو عجب اور خود پسندی جیسی مہلک بیماری سے بچنے کی ہدایت فرمارہے ہیں اور حکم دے رہے ہیں کہ نماز کے فساد و عدمِ فساد کا مسئلہ معلوم کرنے کیلئے علماء سے رجوع کرنا چاہئے، کیونکہ محقق علماء جب کوئی فتویٰ صادر کرتے ہیں تو عمومِ بلویٰ کا لحاظ رکھ کر صادر کرتے ہیں۔۱۲

کا حکم نہیں کیا۔[۵۶] اس میں اعتدال کا درجہ قائم کرنا ان علماء کا کام ہے جو قرارت کو ضروری قرار دینے کے ساتھ فقہ اور حدیث پر نظر رکھتے ہیں۔[۵۷] اس مسئلہ کی تحقیق دوسرے[۵۸] لمعہ میں دیکھ لو۔

[۵۶] کیونکہ اس سے حرج لازم آتا ہے، ہاں اگر امام قرارت میں فاش غلطیاں کرتا ہے اور مقتدی ماہر تجوید اور ایک مشاق قاری ہے تو ایسے مقتدی کی نماز پر صحت کا حکم لگانا واقعی مشکل ہے، کیونکہ رکوع، سجود اور قیام وغیرہ کی طرح قرارت بھی نماز کا ایک رکن ہے۔ ایسی صورت میں غلطی سے مطلع کر کے کسی مفتی اور فقیہ سے دریافت کرنا ضروری ہے۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ وَعِلْمُہٗ اَتَمُّ۔ ۱۲

[۵۷] کیونکہ اگر فقہ اور حدیث پر نظر نہیں ہے اور محض قاری ہی ہے تو ذرا ذرا سی غلطی پر فسادِ نماز کا حکم لگائے گا، اور اگر فقہ اور حدیث پر تو نظر ہے لیکن قرارت نہیں جانتا تو بڑی بڑی غلطیوں کو بھی غلطی نہیں سمجھے گا، اور قرآن مجید کے کھلا غلط پڑھے جانے پر بھی فسادِ نماز کا حکم نہیں لگائے گا۔ اس لئے فرمایا کہ اس میں اعتدال کا درجہ قائم کرنا ان علماء کا کام ہے جو قرارت کو ضروری قرار دینے کے ساتھ ساتھ فقہ اور حدیث پر نظر رکھتے ہیں، اور یہ بہت عمدہ فیصلہ ہے۔ فَلِلّٰہِ دَرُّہٗ۔ ۱۲

[۵۸] یعنی وہاں بھاری اور ہلکی دونوں قسم کی غلطیوں کی الگ الگ تعریف اور حقیقت بیان کر دی گئی ہے اور ہر ایک کی مثالیں اور اس کا حکم بھی بیان کر دیا گیا ہے۔ ۱۲

چھٹا لمعہ

صفات مُحسِّنہ مُحَلِّیہ[۱] کے بیان[۲] میں

جاننا چاہئے کہ یہ صفات سب[۳] حرفوں میں نہیں ہوتیں، صرف آٹھ حرف ہیں جن میں مختلف حالتوں[۴] میں مختلف صفات کی رعایت ہوتی ہے، وہ حروف یہ ہیں:۔

حواشی لمعۂ ششم

[۱] مُحَسِّنَہ اور مُحَلِّیَہ یہ دونوں صفات عارضہ کے نام ہیں۔ پانچویں لمعہ کے شروع میں معلوم ہو چکا ہے کہ صفات کی دو قسمیں ہیں:۔ [۱] صفات لازمہ [۲] صفات عارضہ، اور وہیں یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ "لازمہ" کو ذاتیہ، مُمیِّزہ، مقومہ اور "عارضہ" کو محسنہ، مَحَلِّیہ اور مزینہ بھی کہتے ہیں۔ پس پانچویں لمعہ میں تو مصنف رحمہ اللہ نے صفات لازمہ بیان فرمائی ہیں اور اب اس چھٹے لمعہ سے صفات عارضہ کا بیان شروع فرما رہے ہیں۔۱۲

[۲] مگر یہ ملحوظ رہے کہ مصنف رحمہ اللہ نے اس لمعہ میں صفات عارضہ بیان نہیں فرمائیں بلکہ ان کے متعلق صرف ایک ضروری تمہید ہی بیان فرمائی ہے، جس میں ان کو عارضہ کہنے کی وجہ اور یہ کہ یہ صفات کتنے اور کون کون سے حرفوں میں ہیں، اور ان حرفوں کی کن کن حالتوں میں پائی جاتی ہیں، اس قسم کی چیزیں بیان فرمائی ہیں۔ رہی خود صفات عارضہ اور ان کی پوری تفصیل؟ سو یہ چیزیں آئندہ سات سے بارہ تک کے چھ لمعوں میں آرہی ہیں۔۱۲

[۳] مطلب یہ ہے کہ جس طرح صفات لازمہ تمام حرفوں میں پائی جاتی ہیں اور کوئی حرف ان سے خالی نہیں ہوتا، اس طرح صفات عارضہ کا حال نہیں بلکہ یہ صرف بعض حرفوں میں پائی جاتی ہیں۔

[۴] اس سے ان صفات کے عارضہ ہونے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، کیونکہ صفات عارضہ ایسی ہی صفات کو کہتے ہیں جو حرف کی سب حالتوں میں نہ ہوں بلکہ بعض میں ہوں اور بعض میں نہ ہوں، اور یہاں مختلف کے معنیٰ بعض ہی کے ہیں۔۱۲

① لام

② رار

③ میم ساکن و مشدد[۵]۔

④ نون ساکن و مشدد اور نون ساکن میں تنوین بھی داخل ہے کیونکہ وہ اگرچہ لکھنے میں نون نہیں ہے مگر پڑھنے[۶] میں نون ہے، جیسے بار پر اگر دو زبر پڑھو تو ایسا ہوگا جیسے بَنْ پڑھو۔

⑤ الف جس سے پہلے ہمیشہ زبر ہی ہوتا ہے۔

⑥ واؤ ساکن جبکہ اس سے پہلے پیش یا زبر ہو۔

⑦ یار ساکن جبکہ اس سے پہلے زیر یا زبر ہو[۷]۔ (دیکھو لمعہ نمبر ۴ مخرج نمبر ۱)۔

⑧ ء: اور ہمزہ کی حقیقت[۸] مخرج اول میں بیان کی گئی ہے پھر دیکھ لو اور ان حرفوں

---

[۵] میم اور نون کے ساتھ ساکن اور مشدد کی قید اس لئے لگائی گئی ہے تاکہ متحرک غیر مشدد نکل جائے۔ کیونکہ نون اور میم اگر متحرک غیر مشدد ہوں جیسے نَحْنُ اور مُؤْمِنِيْنَ وغیرہ تو اس حالت میں ان میں یہ صفات نہیں پائی جاتیں، اور یہی معنیٰ ہیں عارضہ کے، کہ ایک حالت میں ہوں اور دوسری حالت میں نہ ہوں۔ ۱۲

[۶] پس اگرچہ نون ساکن اور تنوین میں یہ فرق ہے کہ پہلا لکھنے میں بھی آتا ہے اور پڑھنے میں بھی، اور تنوین پڑھنے ہی میں آتا ہے لکھنے میں نہیں آتا۔ لیکن چونکہ علم تجوید میں تلفظ ہی سے بحث ہوتی ہے اس لئے تلفظ کا اعتبار کرتے ہوئے دونوں پر ایک ہی قسم کے احکام جاری کئے گئے ہیں۔

[۷] مطلب یہ ہے کہ جب یہ حروف مدہ یا لین ہوں، پس واؤ اور یار کے متحرک ہونے کی صورت میں ان میں صفت عارض نہیں پائی جاتی۔ ۱۲

[۸] یعنی یہ کہ ہمزہ متحرک ہو یا ساکن، ہمیشہ جھٹکا کے ساتھ پڑھا جاتا ہے ... الخ۔ جیسا کہ

میں جو ایسی صفات⁹ ہوتی ہیں ان میں بعض صفات تو خود استاد کے پڑھانے ہی¹⁰ سے ادا ہو جاتی ہیں ان کو بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ مثلاً الف اور واؤ اور یاء اور ہمزہ کا

مخرج نمبر ایک کے ذیل میں اَلْحَمْدُ اور بَأْسٌ کی مثالیں دے کر سمجھایا گیا ہے۔۱۲

[۹] یعنی صفات مُحَسِّنہ مُحَلِّیہ۔۱۲

[۱۰] اس کا مطلب یہ ہوا کہ صفات عارضہ دو طرح کی ہیں :۔ ایک وہ جن کے سمجھانے کے لئے استاد کو کوئی قاعدہ بیان کرنا نہیں پڑتا۔ بس استاد پڑھ کر سنا دیتا ہے اور شاگرد اس کی پیروی میں اسی طرح ادا کر دیتا ہے اور اس کو یاد کر لیتا ہے، اور دوسری قسم کی صفات وہ ہیں جن کے سمجھانے کے لئے استاد کو قاعدہ بیان کرنا پڑتا ہے اور قاعدہ معلوم ہوئے بغیر ان کے موافق عمل نہیں ہو سکتا۔ پس رسالہ ہذا میں صرف دوسری قسم کی صفات بیان کی گئی ہیں۔

یہ وضاحت ہم نے متن کے الفاظ کو سامنے رکھ کر کی ہے، ورنہ حقیقت یہ ہے کہ دونوں طرح کی صفات سمجھانے کے لئے قاعدے بیان کرنے ہی پڑتے ہیں، چنانچہ حروفِ مدہ اور ہمزہ کا کہیں ثابت رہنا اور کہیں حذف ہو جانا، یا ہمزہ کو کہیں تسہیل سے پڑھنا اور کہیں حرفِ مد سے بدل دینا وغیرہ وغیرہ، یہ تمام قاعدے فن کی دوسری کتابوں میں باقاعدہ طور پر بیان کئے گئے ہیں، مگر چونکہ ان کے سمجھنے کے لئے ہمزہ کے اَقسام اور اس کے اَحکام وغیرہ کے جاننے کی ضرورت ہوتی ہے اور اس کا محل صَرف کی کتابیں ہیں اور یہ رسالہ مولٰنا نے ہر خاص و عام کے لئے تالیف فرمایا ہے۔ اس لئے اس قسم کی صفات رسالہ ہذا میں بیان نہیں کیں، اور یہ جو فرمایا ہے کہ "یہ صفات استاد کے پڑھانے سے ہی ادا ہو جاتی ہیں" تو اس کا مطلب یہ ہے کہ جہاں جہاں ان حرفوں کا حذف یا اثبات ہے، وہاں عام طور پر حفاظ کو یاد بھی قاعدہ کے موافق ہی ہوتا ہے، اسکے برخلاف تفخیم و ترقیق، مد اور غنہ وغیرہ، یہ صفات ایسی ہیں جن کے ادا کرنے کے لئے ارادہ کرنا پڑتا ہے اور پہلے سے ان کے موافق یاد نہیں ہوتا، اور یوں بھی ان کے سمجھنے کے لئے عربی پڑھنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔۱۲

کہیں ثابت[11] رہنا اور کہیں حذف ہو جانا۔ صرف ان صفات کو بیان کیا جاتا ہے جو پڑھانے سے سمجھ میں نہیں آتیں خود ارادہ کرنا پڑتا ہے۔ جیسے پُر پڑھنا اور باریک پڑھنا اور غنہ کرنا یا نہ کرنا اور مد کرنا یا نہ کرنا۔ اب ان آٹھوں[12] حرفوں کے قاعدے الگ الگ[13] مذکور ہوتے ہیں۔

[11] ثابت رہنے کی مثالیں یہ ہیں:۔ فَلَمَّآ اَلْقَوْا۔ فِیْٓ اَنْفُسِكُمْ۔ قَالُوْٓا اٰمَنَّا اور حذف کی مثالیں یہ ہیں:۔ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ۔ فِی الْاَرْضِ۔ وَقَالُوا الْحَمْدُ۔ پس غور کرو کہ پہلی تین مثالوں میں تو الف، واؤ، یاء اور ہمزہ پڑھے جاتے ہیں اور دوسری تین میں نہیں پڑھے جاتے۔ ان میں یہ فرق کیوں ہے اور اس کی کیا وجہ ہے؟ بس اسی فرق کا سمجھنا عربی جاننے پر موقوف ہے اور اسی لئے مولانا نے ان قاعدوں کو نظرانداز فرمادیا۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ وَعِلْمُهٗ اَتَمُّ۔ ۱۲

[12] مجموعہ ان آٹھ حرفوں کا جن کے قاعدے آئندہ چھ لمعوں میں بیان ہونے والے ہیں اَوْ یَرْمَلَانِ ہے اور ان کے قاعدے یہ ہیں:۔ تفخیم، ترقیق، ادغام، اقلاب، اخفاء، غنہ، مد اور تسہیل۔ صفات عارضہ بھی انہیں کو کہتے ہیں اور ادغام واخفاء کے ساتھ اظہار کا، مد کے ساتھ قصر کا، اور تسہیل کے ساتھ تحقیق کا ذکر بھی آئے گا۔

[13] اس طرح کہ الف، واؤ اور یاء ان تین حرفوں کے قاعدے تو ایک ہی لمعہ میں بیان کئے گئے ہیں اور باقی پانچ حرفوں یعنی لام، راء، میم، نون اور ہمزہ میں سے ہر ایک کے ایک ایک لمعہ میں۔ ۱۲

ساتواں لمعہ

لام کے قاعدوں[1] میں

لفظ اَللّٰہ کا جو لام ہے اس سے پہلے اگر زبر والا یا پیش والا حرف ہو تو اس لام کو پُر کر کے پڑھیں گے، جیسے اَرَادَ اللّٰہُ، رَفَعَهُ اللّٰهُ اور اس پُر کرنے کو تفخیم[2] کہتے ہیں اور اگر اس سے پہلے زیر والا حرف ہو تو اس لام کو باریک[3] پڑھیں گے جیسے بِسْمِ اللّٰهِ اور اس باریک پڑھنے کو ترقیق کہتے ہیں، اور لفظ اللہ کے سوا جتنے لام ہیں سب باریک پڑھے جاویں گے جیسے مَاوَلّٰهُمْ[4] اور كُلُّهٗ

تنبیہ: اَللّٰهُمَّ میں بھی یہی قاعدہ ہے جو لفظ اَللّٰہ میں ہے، کیونکہ اس کے اول میں بھی یہی لفظ اَللّٰہ[5] ہے۔

حواشی لمعۂ ہفتم

[1] جیسا کہ ابھی اوپر چھٹے لمعہ میں معلوم ہو چکا ہے کہ جن آٹھ حرفوں میں صفات عارضہ پائی جاتی ہیں ان میں سے ایک لام بھی ہے، اور چونکہ لام کا بیان سب سے مختصر تھا اس لئے مصنف رحمہ اللہ نے سب سے پہلے اسی قاعدہ کا بیان فرمایا ہے۔ ۱۲

[2] یعنی منہ بھر کے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ زبان کو اندر سے اوپر کے تالو کی طرف بلند کر لیا جاتا ہے اور بس، تفخیم میں ہونٹوں کو کوئی دخل نہیں۔ ۱۲

[3] یعنی منہ بھرے بغیر جسکی صورت یہ ہوتی ہے کہ زبان کو اوپر کے تالو کی طرف بلند نہیں کرتے

[4] پس یہ وَلّٰی فعل ماضی اور هُمْ ضمیر منصوب منفصل سے مرکب ہے۔ بعض لوگ نادانی سے اس کو بھی اَللّٰهُمَّ کی طرح پُر پڑھ دیتے ہیں، حالانکہ ان دونوں کے رسم الخط میں بھی بہت بڑا فرق ہے۔ جس سے ان کا دو الگ الگ لفظ ہونا بآسانی سمجھ میں آسکتا ہے۔ ۱۲

[5] پس لفظ اَللّٰہ اور اَللّٰهُمَّ کا ایک ہی حکم ہے، جو کتاب میں بیان کیا گیا ہے۔ اَللّٰهُمَّ کی

آٹھواں لمعہ

راء کے قاعدوں میں

قاعدہ نمبر ١ اگر راء پر زبر یا پیش ہو تو اس راء کو تفخیم سے یعنی پُر پڑھیں گے۔ جیسے رَبَّكَ، رُبَمَا اور اگر راء پر زیر ہو تو اس کو ترقیق سے یعنی باریک پڑھیں گے جیسے رِجَالٌ۔

تنبیہ: راء مشدّدہ بھی ایک راء ہے۔ پس خود اس کی حرکت کا اعتبار کر کے

مثالیں یہ ہیں:۔ مَرْيَمَ اللّٰهُمَّ، قَالُوا اللّٰهُمَّ اور قُلِ اللّٰهُمَّ۔ پس پہلی دو مثالوں میں تو لام پُر ہوگا اور تیسری میں باریک۔ ۱۲

حواشی لمعہ ہشتم

١ لام اور راء ان دونوں حرفوں کے قاعدے چونکہ ایک ہی طرح کے ہیں کہ یہ دونوں بعض حالتوں میں پُر پڑھے جاتے ہیں اور بعض حالتوں میں باریک، اس لئے مصنف رحمہ اللہ لام کے بعد اب راء کے قاعدے بیان فرمارہے ہیں، مگر راء کا بیان چونکہ کافی لمبا ہے اور اس کے قاعدے بھی زیادہ ہیں، اس لئے ان قاعدوں کو پڑھتے وقت اگر دو باتیں ذہن میں رکھی جائیں تو امید ہے کہ سمجھنے میں آسانی ہو:۔

٭ ایک بات تو یہ کہ راء اگر متحرک ہو تو اس کو خود اپنی حرکت کے لحاظ سے اور اگر ساکن ہو تو اس سے پہلے والے حرف کی حرکت کے لحاظ سے پُر یا باریک پڑھتے ہیں۔

٭ دوسری بات یہ کہ راء زبر اور پیش کی وجہ سے پُر پڑھی جاتی ہے اور زیر کی وجہ سے باریک۔

پس یہ دونوں باتیں ذہن میں رہنی چاہئیں، تاکہ آئندہ بیان ہونے والے قاعدے آسانی کے ساتھ ذہن نشین ہوتے چلے جائیں۔ ۱۲

٢ مطلب یہ ہے کہ راء مشدد کو دو حرف سمجھ کر۔ اس طرح کہ پہلے حصہ کو ساکن اور

اس کو پُر یا باریک پڑھیں گے۔ جیسے سِرًّا کی راء کو پُر پڑھیں گے اور دُرِّیٌّ کی راء کو باریک اور اس کو اگلے قاعدہ نمبر۲ میں داخل نہ[۳] کہیں گے جیسے بعضے ناواقف اس کو دو راء سمجھتے ہیں، پہلی ساکن اور دوسری متحرک، یہ غلطی ہے۔

قاعدہ نمبر۲ اگر راء ساکن ہو تو اس سے پہلے والے حرف کو دیکھو کہ اس پر کیا حرکت ہے، اگر زبر یا پیش ہو تو اس راء کو پُر پڑھیں گے۔ جیسے بَرْقٌ، یُرْزَقُوْنَ اور اگر زیر ہے تو اس راء کو باریک پڑھیں گے جیسے اَنْذِرْهُمْ لیکن ایسی[۴] راء کے باریک ہونے کی تین شرطیں ہیں:۔

(۱) ایک شرط یہ ہے کہ یہ کسرہ اصلی ہو عارضی[۵] نہ ہو کیونکہ اگر عارضی ہوگا تو پھر یہ راء باریک نہ ہوگی، جیسے اِرْجِعُوْا دیکھو راء ساکن بھی ہے اور اس سے پہلے حرف یعنی ہمزہ پر زیر بھی ہے مگر چونکہ یہ زیر عارضی[۶] ہے اس لئے اس راء کو پُر پڑھیں گے لیکن بدوں

دوسرے کو متحرک۔ پھر ساکن کو تو حرفِ ماقبل کے تابع رکھ کر اور متحرک کو خود اس کی حرکت کے اعتبار سے پُر یا باریک نہیں پڑھنا چاہئے بلکہ اسکو ایک ہی حرف سمجھ کر خود اسکی حرکت کے لحاظ سے اس پر تفخیم یا ترقیق کا حکم جاری کرنا چاہئے۔۱۲

[۳] کیونکہ اگلے قاعدہ میں یہ چیز بیان کی گئی ہے کہ راء ساکن کو پُر اور باریک پڑھنے کیلئے حرفِ ماقبل کی حرکت کا لحاظ رکھا جاتا ہے۔ لہٰذا راء مشدد کے قاعدہ کو اس قاعدہ میں داخل نہیں سمجھنا چاہئے، بلکہ اس کا حکم وہی ہے جو قاعدہ نمبر ایک میں بیان ہو چکا ہے۔۱۲

[۴] یعنی راء ساکن ماقبل مکسور۔۱۲

[۵] زیر عارضی دو موقعوں میں آتا ہے:۔ ایک وہ جو ہمزہ وصلی پر ہوتا ہے اور دوسرا وہ جو اجتماعِ ساکنین کی وجہ سے پہلے ساکن پر آتا ہے، ان دو کے ماسوا ہر زیر اصلی ہے۔ دونوں قسم کے عارضی کسرہ کی مثالیں آگے متن میں آرہی ہیں۔۱۲

[۶] چونکہ یہ زیر ہمزہ وصلی پر ہے اور ہمزہ وصلی عارضی ہوتا ہے اس لئے کہ یہ ابتدا کی حالت

عربی پڑھے ہوئے اسکی پہچان[۷] نہیں ہوسکتی کہ کسرہ یعنی زیر اصلی کہاں ہے اور عارضی کہاں ہے، جہاں جہاں شبہ ہو کسی عربی دان سے پوچھ[۸] کر اس قاعدے پر عمل کرے۔

(۲) دوسری شرط یہ ہے کہ یہ کسرہ اور یہ راء دونوں ایک کلمہ میں ہوں، اگر دو کلمہ میں ہوں گے تو بھی راء باریک نہ ہوگی۔ جیسے رَبِّ ارْجِعُوْنِ[۹]، اَمِ ارْتَابُوْٓا[۱۰] (درۃ الفرید)۔ اور اس شرط کا پہچاننا بہ نسبت پہلی شرط کے آسان ہے کیونکہ کلموں کا ایک یا دو ہونا اکثر ہر شخص کو معلوم ہو جاتا ہے۔

(۳) تیسری شرط یہ ہے کہ اس راء کے بعد اسی کلمہ[۱۱] میں حروفِ مستعلیہ میں سے کوئی

میں ثابت رہتا ہے اور وصل کی حالت میں گر جاتا ہے۔ پس جب حرف ہی عارضی ہو تو اس کی حرکت بدرجہ اولیٰ عارضی ہوگی وَاللّٰہُ اَعْلَمُ۔۱۲

[۷] کیونکہ عربی پڑھے بغیر نہ تو ہمزہ وصلی کی پہچان ہوسکتی ہے اور نہ ہی اجتماعِ ساکنین کا پتہ چلتا ہے، اور زیر عارضی ان ہی دو چیزوں کی وجہ سے ہوتا ہے جیسا کہ حاشیہ نمبر ۵ میں بیان ہوا۔۱۲

[۸] وہ تمام کلمات جن میں راء ساکن سے پہلے کسرہ عارضی یا کسرہ منفصل ہے، ہم نے کتاب معلم التجوید میں ایک جدول میں درج کر دیئے ہیں اور ہر کلمہ کے ساتھ سورۃ اور پارہ کا رکوع نمبر بھی لکھ دیا ہے۔۱۲

[۹] کیونکہ رَبِّ الگ کلمہ ہے اور اِرْجِعُوْنِ الگ، اس لئے اِرْجِعُوْنِ کی راء بار کے کسرہ کی وجہ سے باریک نہ ہوگی بلکہ پُر ہی پڑھی جائے گی۔۱۲

[۱۰] اس میں میم کا کسرہ عارضی بھی ہے اور منفصل بھی منفصل تو اس لئے کہ اَمْ الگ کلمہ ہے اور اِرْتَابُوْا الگ، اور عارضی اس لئے کہ یہ اجتماعِ ساکنین کی وجہ سے ہے، اور اس قسم کا کسرہ بھی عارضی ہی ہوتا ہے۔ اجتماعِ ساکنین کے مسائل اور ہمزہ کے احکام دونوں چیزیں معلم التجوید میں پڑھ لو گے، انشاء اللہ۔۱۲

[۱۱] یعنی جس کلمہ میں راء ہے۔۱۲

حرف نہ ہو، اگر ایسا[۱۲] ہوگا تو پھر راء کو پُر پڑھیں[۱۳] گے، اور ایسے حرف سات ہیں جن کا بیان پانچویں[۱۴] لمعہ کے نمبر ۵ میں آچکا ہے۔ جیسے قِرْطَاسٍ، اِرْصَادًا، فِرْقَةٍ، لَبِالْمِرْصَادِ۔ ان سب میں راء کو پُر پڑھیں گے اور تمام قرآن مجید میں اس قاعدہ کے یہی چار لفظ پائے جاتے ہیں اور ویسے بھی اس کا پہچاننا آسان[۱۵] ہے۔

تنبیہ ① تیسری شرط کے موافق لفظ کُلُّ فِرْقٍ کی راء میں بھی تفخیم[۱۶] ہوگی لیکن چونکہ قاف پر بھی زیر ہے اس لئے بعض قاریوں کے نزدیک اس میں ترقیق ہے، اور دونوں[۱۷] امر جائز ہیں۔

تنبیہ ② تیسری شرط میں جو یہ لکھا ہے کہ اگر ایسی راء کے بعد اسی کلمہ میں حروفِ مستعلیہ میں سے کوئی حرف ہوگا تو اس کو پُر پڑھیں گے، تو اسی کلمہ کی قید اس لئے لگائی کہ دوسرے کلمہ میں حروفِ مستعلیہ کے ہونے کا اعتبار نہ کریں گے۔ جیسے

---

[۱۲] یعنی راء ساکن ماقبل مکسور کے بعد اگر اسی کلمہ میں حرفِ مستعلیہ ہوگا۔۱۲

[۱۳] خواہ اس راء سے پہلے کسرہ اصلی اور متصل ہی کیوں نہ ہو۔ چنانچہ اس قاعدہ کی متن میں مذکور چاروں مثالوں میں یہی صورت ہے لیکن اس پر بھی بعد کے مستعلیہ کی وجہ سے راء پُر پڑھی جاتی ہے۔۱۲

[۱۴] یعنی وہاں ان سات حرفوں کا مجموعہ بیان ہو چکا ہے۔ اگر یہ مجموعہ یاد نہ رہا ہو تو وہاں دیکھ لو۔ ۱۲

[۱۵] کیونکہ یہ بات بہت ہی آسانی سے معلوم ہو جاتی ہے کہ راء کے بعد حرف مستعلیہ ہے یا مستفلہ۔۱۲

[۱۶] کیونکہ راء ساکنہ کے بعد اسی کلمہ میں قاف ہے جو کہ حروفِ مستعلیہ میں سے ہے۔۱۲

[۱۷] یعنی تفخیم و ترقیق۔ اور اس کو خُلف کہتے ہیں۔۱۲

اَنْذِرْ[۱۸] قَوْمَكَ، فَاصْبِرْ صَبْرًا اس میں راء کو باریک ہی پڑھیں گے۔

قاعدہ نمبر ۳ اور اگر راء ساکن سے پہلے والے حرف پر حرکت نہ ہو، وہ بھی ساکن ہو اور ایسا حالتِ[۱۹] وقف میں ہوتا ہے جیسا کہ ابھی مثالوں میں دیکھو گے تو پھر اس حرف سے پہلے والے حرف کو دیکھو، اگر اس پر زبر یا پیش ہو تو راء کو پُر پڑھو جیسے لَيْلَةُ الْقَدْرْ○ بِكُمُ الْعُسْرْ کہ ان میں راء بھی ساکن اور دال اور سین بھی ساکن اور قاف پر زبر اور عین پر پیش ہے، اس لئے ان دونوں کلموں کی راء کو پُر پڑھیں گے اور اگر اس پر زیر ہو تو راء کو باریک پڑھو جیسے ذِي الذِّكْرْ○ کہ راء بھی ساکن اور کاف بھی ساکن اور ذال پر زیر ہے، اس لئے اس راء کو باریک پڑھیں گے۔

تنبیہ ۱ لیکن اس راء ساکن سے پہلے جو حرف ساکن ہے اگر یہ حرف ساکن یاء ہو تو پھر یاء سے پہلے والے حرف کو مت دیکھو، بس راء کو ہر حال میں باریک پڑھو خواہ یاء سے پہلے کچھ ہی حرکت[۲۰] ہو۔ جیسے خَبِيْرٌ قَدِيْرٌ○ کہ ان دونوں راء کو باریک ہی پڑھیں گے۔

---

[۱۸] کیونکہ اَنْذِرْ الگ کلمہ ہے اور قَوْمَكَ الگ اور فَاصْبِرْ صَبْرًا میں بھی یہی صورت ہے، اس قاعدہ کی ایک مثال اور بھی پائی گئی ہے یعنی وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لقمان ع ۲ میں۔ ۱۲

[۱۹] یعنی یہ کہ راء اور اس سے پہلے والا حرف دونوں ساکن ہوں، کیونکہ وصل میں اس طرح کے دو ساکنوں کا اکٹھا ہونا جائز نہیں سمجھا گیا۔ چنانچہ اس قاعدے کی مثالوں پر اگر وقف نہ کیا جائے بلکہ بعد والے کلموں سے ملا کر پڑھا جائے تو اب ان کی راء ساکن نہ پڑھی جائے گی بلکہ متحرک ادا ہوگی، خوب سمجھ لو۔ ۱۲

[۲۰] یعنی خواہ فتحہ ہو خواہ کسرہ، جیسا کہ مثالوں سے ظاہر ہے اور "ہر حال" کا مطلب بھی یہی ہے۔ رہا ضمہ تو وہ یاء ساکن سے پہلے آتا ہی نہیں۔ ۱۲

تنبیہ ② اس قاعدہ نمبر۳ کے موافق لفظ مِصْرَ اور عَیْنَ الْقِطْرِ پر جب وقف کیا جاوے تو رار کو باریک ہونا چاہئے[۲۱]، مگر قاریوں نے ان دونوں لفظوں کی رار کو باریک اور پُر دونوں طرح پڑھا ہے اور اسی لئے دونوں[۲۲] طرح پڑھنا جائز ہے، لیکن بہتر یہ ہے کہ خود رار پر جو حرکت ہو اس کا اعتبار کیا جاوے[۲۳]۔ پس مِصْرَ میں تفخیم اَولیٰ ہے کہ رار پر زبر ہے اور اَلْقِطْرِ میں ترقیق اَولیٰ ہے کہ رار پر زیر ہے۔

تنبیہ ③ اس قاعدہ نمبر۳ کی بنار پر سورۂ والفجر میں اِذَا یَسْرِ پر جب وقف ہو اسکی رار کو مفخم ہونا[۲۴] چاہئے لیکن بعض قاریوں نے اسکے باریک پڑھنے کو اَولیٰ لکھا ہے[۲۵] مگر یہ روایت ضعیف ہے۔ اسلئے اس رار کو قاعدۂ مذکورہ کے موافق پُر ہی پڑھنا چاہئے۔

قاعدہ نمبر ④ رار کے بعد ایک جگہ قرآن مجید میں اِمالہ[۲۶] ہے تو رار کی اس

---

[۲۱] کیونکہ رار موقوفہ سے پہلا حرف ساکن ہے اور اس سے پہلے والے حرف یعنی میم اور قاف پر کسرہ ہے ذِی الذِّکْرِ اور وَلَا بِکْرٌ کی طرح۔۱۲

[۲۲] ترقیق کی وجہ تو متن میں مذکور ہی ہے یعنی قاف اور میم کا کسرہ، اور تفخیم اس لئے کہ مابعد کی طرح ماقبل کے مستعلیہ کو بھی تفخیم کا سبب سمجھ لیتے ہیں۔۱۲

[۲۳] مطلب یہ ہے کہ گو ان دونوں کلموں میں وقفاً دو دو وجوہ ہیں لیکن ترجیح اس وجہ کو ہے جو رار کی حرکت کے موافق ہے اور باقی وضاحت آگے خود متن میں موجود ہے۔۱۲

[۲۴] کیونکہ سین ساکن ہے اور اس سے پہلا حرف یعنی یار مفتوح ہے اَلْقَدْرِ کی طرح۔۱۲

[۲۵] اس لئے کہ یہ لفظ اصل میں یَسْرِیْ تھا، پس بعض نے رار کے باریک پڑھنے کو اس لئے اَولیٰ لکھا ہے تاکہ یائے محذوفہ پر دلالت ہو جائے، لیکن محققین کے اقوال سے اس کی تائید نہیں ہوتی بلکہ غیث النفع میں تو پُر پڑھنے کی تصریح کی گئی ہے (زینت الفرقان) چنانچہ متن کتاب میں بھی ترقیق کی روایت کو ضعیف ہی بتایا گیا ہے۔۱۲

[۲۶] اِمالہ کہتے ہیں فتحہ کو طرف کسرہ کے اور اس کے بعد والے الف کو طرف یار کے جھکا کر

حرکت کو زیر سمجھ کر رار کو باریک پڑھیں[۲۷] اور وہ جگہ یہ ہے بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا اور اس رار کو ایسا پڑھیں گے جیسا لفظ قطرے کی رار کو پڑھتے ہیں، امالہ اسی کو کہتے ہیں جس کو فارسی والے یائے مجہول[۲۸] کہتے ہیں۔ پس مَجْرٖىهَا کی رار کو باریک پڑھیں گے۔

قاعدہ نمبر۵ جو رار وقف کے سبب ساکن ہو تو ظاہر بات ہے کہ اس میں قاعدہ نمبر۲ ونمبر۳ کے موافق اس سے پہلے والے حرف کو اور کبھی اس سے پہلے والے حرف کو دیکھ کر اس رار کو باریک یا پُر پڑھنا چاہیے، تو اس میں اتنی بات اور سمجھو کہ یہ پہلے والے حرفوں کو دیکھنا اس وقت ہے جبکہ وقف میں اس رار کو بالکل ساکن[۲۹] پڑھا جاوے۔ جیسا کہ اکثر وقف کرنے کا عام طریقہ یہی ہے۔ لیکن وقف کا ایک اور طریقہ بھی ہے جس میں وہ حرف جس پر وقف کیا ہے بالکل ساکن نہیں کیا جاتا بلکہ اس پر جو حرکت ہو اس کو بھی بہت خفیف سا ادا کیا جاتا ہے اور اس کو رَوم کہتے ہیں۔ اور یہ صرف زیر اور پیش میں ہوتا ہے۔ اسکا مفصل بیان لمعہ تیرہ میں انشاء اللہ تعالیٰ آوے

پڑھنے کو۔ ۱۲

[۲۷] چونکہ اِمالہ میں زبر کو زیر کی طرف جھکا کر پڑھا جاتا ہے، جیسا کہ اس سے پہلے والے حاشیہ میں گزرا، اس لئے اس لفظ کی رار کو مکسور ہی سمجھا جائے گا اور اس پر کسرہ والا حکم ہی جاری کیا جائے گا۔ ۱۲

[۲۸] چونکہ مصنف رحمۃ اللہ علیہ کے پیش نظر یہاں صرف اِمالہ والی رار کا حکم بیان کرنا ہے، اِمالہ کی تعریف بتانا مقصود نہیں، اس لئے اس کے تلفظ کو ایک عام فہم تشبیہ دے کر سمجھایا ہے اور یائے مجہول کا تلفظ وہی ہے جو قطرے کی یار کا ہے اور مَجْرٖىهَا کی یار کو بھی بعینہٖ اسی طرح پڑھنا چاہئے اور اسکو قاری کی یار کی طرح پڑھنا ہرگز جائز نہیں کیونکہ وہ یائے معروف ہے۔ ۱۲

[۲۹] اس طرح وقف کرنے کو "وقف بالاسکان" کہتے ہیں۔ ۱۲

گا، سو یہاں یہ بتلانا منظور ہے کہ اگر ایسی[۳۰] راء پر رَوم کیساتھ وقف کیا جاوے تو پھر پہلے والے حرف کو نہ دیکھیں گے بلکہ خود اس راء پر جو حرکت ہوگی اس کے موافق پُر یا باریک پڑھیں گے۔ جیسے وَالْفَجْرِ پر اگر اس طرح[۳۱] سے وقف کریں تو راء کو باریک پڑھیں[۳۲] گے اور مُنْتَصِرٌ پر اگر اسطرح وقف کریں تو راء کو پُر پڑھیں[۳۳] گے۔

نواں لمعہ

میم[۱] ساکن اور مشدد کے قاعدوں میں

قاعدہ نمبر ① میم اگر مشدد ہو تو اس میں غنہ ضروری ہے، اور غنہ کہتے ہیں ناک میں آواز لے جانے کو جیسے لَمَّا اور اس حالت[۲] میں اس کو حرفِ غنہ کہتے ہیں

[۳۰] یعنی جس راء پر وقف کرنے کا ارادہ ہو، جس کا ذکر اس قاعدہ نمبر ۵ کے شروع میں آچکا ہے۔۱۲

[۳۱] یعنی اس کی حرکت کے کچھ حصہ کو باقی رکھ کر، جس کو "وقف بالروم" کہتے ہیں۔۱۲

[۳۲] اس لئے کہ اس حالت میں وصل کی طرح راء مکسور ادا ہوگی۔۱۲

[۳۳] کیونکہ اس حالت میں راء وصل کی طرح مضموم ادا ہوگی۔ خلاصہ یہ کہ راء موقوفہ بالروم راء موصولہ کی طرح اپنی حرکت کے لحاظ سے پُر یا باریک پڑھی جاتی ہے، موقوفہ بالاسکان اور بالاشمام کی طرح حرفِ ماقبل کی حرکت کے تابع نہیں ہوتی۔۱۲

حواشی لمعہ نہم

[۱] یہاں میم کے ساتھ اور دسویں لمعہ میں نون کے ساتھ ساکن اور مشدد کی قید اس لئے بڑھائی گئی ہے تاکہ متحرک غیر مشدد نکل جائے۔ (دیکھو لمعہ نمبر ۲ حاشیہ نمبر ۵)۔۱۲

[۲] یعنی مشدد ہونے کی حالت میں۔۱۲

فائدہ: غنہ کی مقدار ایک الف ہے، اور الف کی مقدار دریافت کرنے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ کھلی ہوئی انگلی کو بند کرلے یا بند انگلی کو کھول لے، اور یہ محض ایک اندازہ ہے باقی اصل دار و مدار استاد مشّاق سے سننے پر ہے۔[۳]

قاعدہ نمبر② میم اگر ساکن ہو تو اس کے بعد دیکھنا چاہئے کہ کیا حرف ہے، اگر اس کے بعد بھی میم ہے تو وہاں ادغام ہوگا یعنی دونوں میم ایک ہو جاویں گے[۴] اور مثل ایک میم مشدد کے اس میں غنہ ہوگا (حقیقۃ التجوید) جیسے اِلَیۡکُمۡ مُّرۡسَلُوۡنَ[۵] اور اسکو ادغام صغیر مثلین[۶] کہتے ہیں، اور اگر میم ساکن کے بعد باء ہے تو وہاں غنہ کیساتھ

[۳] چنانچہ اگر کوئی شخص قَالَ، کَانَ اور اِنَّا وغیرہ کہتا ہے اور اس سے الف کی مقدار میں کچھ کمی بیشی ہو جاتی ہے تو جس شخص نے کسی ماہر مشاق استاد سے مشق کی ہو، اس کے کانوں کو ناگوار معلوم ہوتا ہے اور وہ اپنے ذوق سے مقدار کے گھٹنے بڑھنے کو معلوم کر لیتا ہے۔ خواہ وہ کھلی ہوئی انگلی کو بند اور بند انگلی کو کھولنے کا عمل نہ بھی کرے۔۱۲

[۴] کیونکہ ادغام کی حقیقت ہی یہی ہے کہ دونوں حرفوں کو ملا کر ایک ذات کر دیا جائے اور وہ دونوں ایک ہی مخرج سے بلا فصل ادا ہوں۔ چنانچہ متن کی مثال کو ادا کرکے غور کرنے سے یہ حقیقت سمجھ میں آسکتی ہے۔۱۲

[۵] پس ادغام کے بعد اِلَیۡکُمۡ مُّرۡسَلُوۡنَ کے دونوں میم مل کر لَمَّا کے ایک میم کی طرح ہو جاتے ہیں اور اب اس میں بھی مثل لَمَّا کے غنہ ہوگا۔۱۲

[۶] یہ ادغام کی ایک قسم ہے جس کی مثالیں قرآن میں بہت ہیں۔ مختصراً یوں سمجھو کہ اگر ادغام ایک ہی طرح کے دو حرفوں میں ہوا ہے اور پہلا حرف ادغام سے پہلے بھی ساکن تھا جیسے اِذۡ ذَّھَبَ اور وَقَدۡ دَّخَلُوۡا وغیرہ تو ایسے ادغام کو "ادغام صغیر مثلین" کہتے ہیں۔ پس اس اصطلاح کو ایک جگہ کے ساتھ خاص نہیں سمجھنا چاہئے بلکہ یہ اس کی ایک مثال ہے اور ادغام کی پوری بحث نصاب کی دوسری کتاب یعنی معلم التجوید میں دیکھو۔۱۲

اخفار ہوگا اور اس اخفار[۷] کا مطلب یہ ہے کہ اس میم کو ادا کرنے کے وقت دونوں ہونٹوں کے خشکی کے حصہ کو بہت نرمی کیساتھ ملا کر غنہ کی صفت کو بقدر ایک الف کے بڑھا کر خیشوم سے ادا کیا جاوے اور پھر اسکے بعد ہونٹوں کے کھلنے سے پہلے ہی دونوں ہونٹوں کے تری کے حصہ کو سختی کیساتھ ملا کر بار کو ادا کیا جاوے (جهد المقل) جیسے وَمَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ اور اسکو اخفار شفوی[۸] کہتے ہیں، اور اگر میم ساکن کے بعد میم اور بار کے سوا اور کوئی حرف ہو تو وہاں میم کا اظہار ہوگا[۹] یعنی میم اپنے مخرج سے بلا غنہ ظاہر کی جاوے گی جیسے اَنْعَمْتَ اور اس کو اظہارِ شفوی کہتے ہیں۔

تنبیہ: بعضے حفاظ اس اخفار و اظہار میں بار اور واو اور فار کا ایک ہی قاعدہ سمجھتے ہیں، اور اس قاعدہ کا نام بَوْف کا قاعدہ رکھا ہے، یعنی بعضے تو تینوں میں اخفار کرتے ہیں اور بعضے تینوں میں اظہار کرتے ہیں اور بعضے ان حرفوں کے پاس میم ساکن کو ایک گونہ حرکت دیتے ہیں۔ جیسے عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ○ وَيَمُدُّهُمْ فِيْ

[۷] یعنی میم کے اخفار کا، اور نون کے اخفار کا مطلب اس سے کچھ مختلف ہے۔ جس کا بیان لمعہ نمبر ۱۰ میں آئے گا۔۱۲

[۸] شَفَت کے معنٰی ہونٹ کے ہیں۔ میم چونکہ ہونٹوں سے ادا ہوتا ہے اس لئے اس کے احکام کے ساتھ "شَفَوِی" کی قید لگا دیتے ہیں۔۱۲

[۹] یہاں بھی اور نون ساکن و تنوین کے اظہار کے ضمن میں بھی جس غنہ کی نفی کی گئی ہے اس سے وہ غنہ مراد ہے جس کی مقدار ایک الف ہوتی ہے اور قاری کو اس کے لئے ارادہ کرنا پڑتا ہے، اور ایک غنہ میم اور نون کا ذاتی ہوتا ہے جس سے یہ دونوں حرف کسی حالت میں بھی خالی نہیں ہوتے۔ چنانچہ جب تم اَنْعَمْتَ کہتے ہو تو یہ غنہ نون اور میم میں اس وقت بھی ہوتا ہے، حالانکہ یہاں اظہار ہے۔۱۲

یہ سب خلافِ[10] قاعدہ ہے، پہلا اور تیسرا[11] قول تو بالکل ہی غلط ہے اور دوسرا قول ضعیف[12] ہے۔ (درۃ الفرید)

دسواں لمعہ

نون ساکن اور مشدد کے قاعدوں میں

اور چھٹے لمعہ کے شروع میں لکھ چکا ہوں کہ تنوین بھی نون ساکن میں داخل ہے وہاں پھر دیکھ لو۔ مگر ان قاعدوں میں نون ساکن کیساتھ تنوین کا نام بھی آسانی کیلئے لیا جاوے گا۔

[10] سب کو خلافِ قاعدہ اس واسطے کہا ہے کہ تینوں حرفوں کا ایک ہی قاعدہ بنالیا گیا ہے۔ حالانکہ بارٗ کا حکم الگ ہے، واوٗ اور فارٗ کا الگ، جیسا کہ متن میں گزرا اور اس کی باقی تقریر آئندہ دو نمبروں میں آرہی ہے۔ ۱۲

[11] پہلے اور تیسرے قول کو جو بالکل غلط کہا ہے تو وہ بھی اسی بنارٗ پر کہا ہے کہ ان تینوں حرفوں کا ایک ہی حکم اور ایک ہی قاعدہ سمجھ لیا گیا ہے، ورنہ ظاہر ہے کہ پہلے قول کا ایک حصہ یعنی بارٗ سے پہلے اخفارٗ یہ تو صحیح ہی ہے، البتہ تیسرا قول سراسر غلط اور نادرست ہے، کیونکہ اس طرح پڑھنے سے قلقلہ سا ہو جاتا ہے اور قلقلہ کے حرف صرف پانچ ہی ہیں جیسا کہ صفات لازمہ میں گزرا۔ ۱۲

[12] اس کو بھی ضعیف اسی معنیٰ کر کے کہا گیا ہے کہ سب کا حکم ایک سمجھ لیا گیا ہے، ورنہ واوٗ اور فارٗ سے پہلے تو اظہار مطلوب اور طریقہ اہلِ ادا ہے، اور یہاں ضعیف بمعنیٰ غیر مختار یعنی غیر اَولیٰ ہے کیونکہ بارٗ سے پہلے بھی اظہار جائز ہے، البتہ خلافِ اَولیٰ ہے۔ ۱۲

حواشی لمعہ دہم

قاعدہ نمبر ① نون اگر مشدد[1] ہو تو اس میں غنہ ضروری ہے اور مثل میم مشدد کے اسکو بھی اس حالت میں حرفِ غنہ کہیں گے۔ نویں لمعہ کا پہلا قاعدہ پھر دیکھ لو۔

قاعدہ نمبر ② نون ساکن اور تنوین کے بعد اگر حروفِ حلقی میں سے کوئی حرف آوے تو وہاں نون کا اظہار کریں گے۔ یعنی ناک میں آواز نہ لے جاویں گے اور غنہ[2] بھی نہ کریں گے۔ جیسے اَنْعَمْتَ، سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ وغیرہ اور اس اظہار کو اظہارِ[3] حلقی کہتے ہیں، اور حروفِ حلقی چھ ہیں جو اس شعر[4] میں جمع ہیں:۔

حرفِ حلقی چھ سمجھ اے نورِ عین ہمزہ، ہا، و حا، خا و عین غین

چوتھے لمعہ میں مخرج نمبر ۲ و نمبر ۳ و نمبر ۴ کو پھر دیکھ لو اور اظہار کا مطلب نویں لمعہ کے دوسرے قاعدہ میں پھر دیکھ لو۔

قاعدہ نمبر ③ نون ساکن اور تنوین کے بعد اگر ان چھ حرفوں میں سے کوئی حرف آوے جن کا مجموعہ يَرْمَلُوْنَ ہے تو وہاں ادغام ہوگا یعنی نون اس کے بعد والے حرف سے بدل کر دونوں ایک ہو جاویں گے۔ جیسے مِنْ لَّدُنْهُ۔ دیکھو نون کو لام بنا

---

[1] جیسے اِنَّ، كَاَنَّ اور يَظُنُّوْنَ وغیرہ۔۱۲

[2] جس غنہ کی یہاں نفی کی جارہی ہے اس سے کون سا غنہ مراد ہے، اس کی تحقیق لمعہ نمبر ۹ حاشیہ نمبر ۹ میں کی گئی ہے، وہاں ملاحظہ کریں۔۱۲

[3] وجہ ظاہر ہے کہ یہ اظہار حروفِ حلقی کی وجہ سے ہی ہوتا ہے۔۱۲

[4] اس مصرعہ میں حروفِ حلقی کو صرف جمع کرنا ہی مقصود ہے، ورنہ مخرج کے لحاظ سے ان حرفوں کی ترتیب اس طرح ہے:۔ ہمزہ، ھا، عین، حا، غین، خا۔ جیسا کہ مخارج کی بحث میں گزرا۔۱۲

کر دونوں لاموں کو ایک کر دیا۔ چنانچہ پڑھنے میں صرف لام[۵] آتا ہے، اگرچہ لکھنے میں نون بھی باقی ہے مگر ان چھ حرفوں میں اتنا فرق ہے کہ ان میں سے چار حرفوں میں تو غنہ بھی رہتا ہے اور یہ غنہ مثل نون مشدد کے بڑھا[۶] کر پڑھا جاتا ہے اور ان چاروں کا مجموعہ یَنْمُوْ ہے۔ جیسے:۔ مَنْ یُّؤْمِنُ، بَرْقٌ یَّجْعَلُوْنَ[۷] وغیر ذٰلک۔ اور اس[۸] کو ادغام مع الغنّہ کہتے ہیں، اور دو جو رہ گئے ہیں یعنی راء، لام، ان میں غنہ نہیں ہوتا جیسے مِنْ لَّدُنْہُ مثال اوپر گزری ہے۔ اس میں ناک میں ذرا بھی آواز نہیں جاتی خالص لام کی طرح پڑھتے ہیں اور اس کو ادغام[۹] بلاغنہ کہتے ہیں اور نویں لمعہ کے قاعدہ نمبر۱ و نمبر۲ میں غنہ اور ادغام کے معنیٰ پھر دیکھ لو، مگر اس ادغام[۱۰] کی ایک شرط یہ ہے کہ یہ نون اور یہ حرف ایک کلمہ میں نہ ہوں ورنہ ادغام نہ کریں گے بلکہ اظہار کریں گے۔ جیسے دُنْیَا قِنْوَانٌ، صِنْوَانٌ، بُنْیَانٌ، اور تمام قرآن میں اس قاعدہ[۱۱] کے یہی چار لفظ پائے گئے

[۵] کیونکہ ادغام کی وجہ سے دونوں ایک ذات ہو جاتے ہیں، اور قاعدہ یہ ہے کہ ادغام میں مدغم "مدغم فیہ" سے بدلتا ہے۔ پس ادغام کی تمام مثالوں میں نون اسی طرح بعد والے حرف سے بدل جائے گا۔۱۲

[۶] یعنی ایک الف کے برابر، کیونکہ غنہ کی مقدار ایک الف ہی ہے جیسا کہ گزرا۔۱۲

[۷] یہ دونوں یاء کی مثالیں ہیں۔ ان میں سے پہلی نون ساکن کی ہے اور دوسری تنوین کی، اور واؤ کی مثالیں مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا، میم کی مِنْ مَّآءٍ مَّھِیْنٍ اور نون کی مِنْ نّٰصِرِیْنَ اور اِمْلَاقٍ نَّحْنُ ہو سکتی ہیں۔۱۲

[۸] یعنی اس ادغام کو جو یَنْمُوْ کے چار حرفوں میں ہوتا ہے۔۱۲

[۹] یعنی اس کو جو لَرْ کے دو حرفوں میں ہوتا ہے۔۱۲

[۱۰] یعنی جو حروفِ یَرْمَلُوْنَ میں ہوتا ہے۔۱۲

[۱۱] یعنی نون ساکن اور حروفِ یَرْمَلُوْنَ کے ایک ہی کلمہ میں ہونے کی وجہ سے جو اظہار

ہیں اور ان میں جو اظہار ہوتا ہے اس کو اظہارِ مطلق[۱۲] کہتے ہیں۔

قاعدہ نمبر④ نون ساکن اور تنوین کے بعد اگر حرفِ بار آوے تو اس نون ساکن اور تنوین کو میم سے بدلکر غنہ اور اخفاء کے ساتھ پڑھیں گے۔ جیسے مِنْ بَعْدِ سَمِيْعٌ بَصِيْرٌ اور بعضے قرآنوں میں آسانی کے لئے ایسے نون اور تنوین کے بعد ننھی سی[۱۳] میم بھی لکھ دیتے ہیں، اس طرح : مِنْۢ بَعْدِ اور اس بد لنے کو اقلاب اور قلب کہتے ہیں اور اس میم کے اخفاء کا مطلب اور ادا کرنے کا طریقہ بھی وہی[۱۴] ہے جو کہ اخفاء شفوی کا تھا۔ نویں لمعہ کا دوسرا قاعدہ پھر دیکھ لو۔

قاعدہ نمبر⑤ نون ساکن اور تنوین کے بعد اگر ان تیرہ[۱۵] حرفوں کے سوا جن کا ذکر قاعدہ نمبر۲ و نمبر۳ و نمبر۴ میں ہو چکا ہے اور کوئی حرف آوے تو وہاں نون اور تنوین کو اخفاء اور غنہ کیساتھ پڑھیں گے، اور وہ پندرہ حرف یہ ہیں:۔ ت[۱] ث[۲] ج[۳] د[۴] ذ[۵]

ہوتا ہے اس اظہار کے قاعدہ کے۔۱۲

[۱۲] دُنْيَا اور قِنْوَانٌ وغیرہ کے اظہار کو "اظہارِ مُطْلَق" کہنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ اظہار يَنْئَوْنَ اور مِنْهُ کے اظہار کی طرح حلق کے ساتھ یا بِهِمْ وَيَمُدُّهُمْ فِيْ کی طرح شَفَت کے ساتھ مقید نہیں اور مطلق کے معنیٰ غیر مقید کے ہی ہیں وَاللّٰہُ اَعْلَمُ۔(العقد الفريد للشيخ علي بن أحمد صبره)

[۱۳] تا کہ پڑھنے والے یہاں نون نہ پڑھیں بلکہ میم پڑھیں۔۱۲

[۱۴] کیونکہ جب نون بار کی وجہ سے میم سے بدل گیا تو اب اس کا تلفظ بھی میم ہی کی طرح ہو گا۔ اسلئے وَمَاهُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ اور مِنْۢ بَعْدِ اور سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ کے اخفاء کے تلفظ میں کوئی فرق نہ ہو گا۔۱۲

[۱۵] چھ حروفِ حلقی، چھ حروفِ يَرْمَلُوْنَ اور ایک بار کے سوا۔۱۲

ز س ش ص ض ط ظ ف ق ك اور الف کو اس لئے شمار نہیں کیا کہ وہ نون ساکن کے بعد نہیں آسکتا[16] (درة الفريد) اور اس اخفاء کا مطلب یہ ہے کہ نون ساکن اور تنوین کو اس کے مخرجِ اصلی (کنارۂ زبان اور تالو) سے علیحدہ رکھ کر اس کی آواز کو خیشوم میں چھپا کر اس طرح پڑھیں کہ نہ ادغام ہو نہ اظہار بلکہ دونوں کی درمیانی حالت ہو یعنی نہ تو اظہار کی طرح اس کے ادا میں سرا زبان تالو سے لگے اور نہ ادغام کی طرح بعد والے حرف کے مخرج سے نکلے بلکہ بدون دخلِ زبان کے اور بدون تشدید[17] کے صرف خیشوم سے غنہ کی صفت کو بقدر ایک الف کے باقی رکھ کر ادا کیا جاوے اور جب تک اخفاء کی مشق کسی ماہر استاد سے میسر نہ ہو اس وقت تک صرف غنہ ہی کے ساتھ پڑھتا رہے کہ دونوں[18] سننے میں ایک دوسرے کے مشابہ ہیں جیسے ءَاَنْذَرْتَهُمْ، قَوْمٍ ظَلَمُوْا وغیرہ، مگر پھر بھی آسانی کے لئے اس اخفاء کی ایک دو مثال اپنی بول چال کے لفظوں

---

[16] اس لئے کہ الف حرفِ ساکن کے بعد ادا ہو ہی نہیں سکتا۔ پس الف کا تعلق نون ساکن وتنوین کے ان چار احکام میں سے کسی کے ساتھ بھی نہیں ہے، خوب سمجھ لو۔ ۱۲

[17] اخفاء کی حالت میں تشدید کا نہ ہونا تو ظاہر ہی ہے کیونکہ جب سرا زبان تالو کے ساتھ لگتا ہی نہیں تو تشدید کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، لیکن اس کے باوجود مؤلف رحمه الله نے تشدید کی نفی کی وضاحت اس لئے فرمائی تاکہ اخفاء اور ادغامِ ناقص کا فرق خوب واضح ہو جائے کیونکہ ثانی میں تشدید ہوتی ہے اور اول میں نہیں ہوتی۔ ۱۲

[18] یعنی اخفا مع الغنۃ اور اظہار مع الغنۃ، اور متن میں صرف غنہ سے مراد اظہار مع الغنۃ ہی ہے، کیونکہ صرف غنہ کے تو کوئی معنیٰ ہی نہیں، اور مولانا نے جو ان دونوں کو ایک دوسرے کے مشابہ فرمایا ہے تو اس سے مراد وہ ظاہری مشابہت ہے جو غنہ کی وجہ سے ان دونوں میں پیدا ہو جاتی ہے، ورنہ حقیقت کی رُو سے تو ان دونوں میں بڑا فرق ہے، کیونکہ ایک میں زبان کا سرا تالو کے ساتھ لگتا ہے اور دوسرے میں نہیں لگتا۔ مطلب یہ ہے کہ جب تک اخفاء حقیقی

میں بتلائے دیتا ہوں کہ کچھ تو سمجھ میں آجاوے، وہ مثالیں[19] یہ ہیں :۔ کنواں، کنول منہ، اونٹ، بانس، سینگ۔ دیکھو ان لفظوں میں نون نہ تو اپنے مخرج سے نکلا اور نہ بعد والے حرف میں ادغام ہوگیا اور اس نون کے اخفاء کو اخفاءِ حقیقی کہتے ہیں، اور نون کے اظہار کو جس کا بیان قاعدہ نمبر۲ میں ہوا ہے اظہارِ حلقی کہتے ہیں اور جس کا بیان قاعدہ نمبر۳ میں ہوا ہے اظہارِ مطلق کہتے ہیں، جس طرح میم کے اخفاء واظہار کو شفوی کہتے ہیں جس کا بیان نویں لمعہ قاعدہ نمبر۲ میں گزرا ہے۔

اپنی صحیح کیفیت کے ساتھ ادا نہ ہو سکے اس وقت تک کم از کم غنہ تو ضرور ہی کرتا رہے تاکہ اخفاء کے ساتھ کچھ نہ کچھ مشابہت تو ہو ہی جائے۔ ۱۲

[19] فائدہ: اخفاء کی حقیقت کیا ہے؟ اس بارے میں ایک مسلک تو وہ ہے جو متن سے ثابت ہوتا ہے یعنی یہ کہ اخفاء حقیقی میں زبان کو کوئی دخل نہیں ہوتا اور سرا زبان تالو سے بالکل علیحدہ رہتا ہے جیسا کہ فرمایا :۔ "بلکہ بدون دخلِ زبان کے اور بدون تشدید کے صرف خیشوم سے غنہ کی صفت کو بقدر ایک الف کے باقی رکھ کر ادا کیا جائے... الخ" اور اخفاء کی اردو زبان میں جو مثالیں متن میں دی گئی ہیں یعنی بانس، سینگ وغیرہ تو یہ بھی اسی صورت میں اس کی مثالیں بن سکتی ہیں کہ زبان کے دخل کو بالکل تسلیم نہ کیا جائے، ورنہ اگر زبان کا کچھ دخل بھی تسلیم کیا جائے تو اس صورت میں یہ اخفاء کی مثالیں بن ہی نہیں سکتیں، لیکن استاذ الاساتذہ امام فن حضرت مولانا قاری عبدالرحمٰن صاحب الہ آبادی حفظہ اللہ کی تحقیق یہ ہے کہ اخفاء میں سرا زبان کو تالو سے معمولی سا لگاؤ ضرور ہوتا ہے اور زبان بالکل بے تعلق نہیں رہتی چنانچہ آپ نے فوائد مکیہ کے حاشیہ میں اس پر مفصل کلام کیا ہے اور دخلِ لسان کے دلائل بیان فرمائے ہیں۔ جانبین کے دلائل اور موضوع پر مفصل کلام یہ ساری بحث انشاء اللہ التبیان فی ترتیل القرآن میں سپرد قلم کی جائے گی۔ یہ حواشی ان تفصیلات کے متحمل نہیں ہیں۔

گیارھواں لمعہ

الف اور واؤ اور یاء[1] کے قاعدوں میں

جبکہ یہ ساکن ہوں اور الف سے پہلے والے حرف پر زبر ہو اور واؤ ساکن سے پہلے پیش ہو اور یاء ساکن سے پہلے زیر ہو اور اس حالت میں ان کا نام مدہ ہے۔ دیکھو لمعہ ۴ مخرج نمبر ایک، اور کھڑا زبر[2] اور کھڑی زیر اور الٹا پیش بھی حروفِ مدہ میں داخل ہیں۔ کیونکہ[3] کھڑا زبر الف مدہ کی آواز دیتا ہے، اور کھڑی زیر یاء مدہ کی، اور الٹا پیش واؤ مدہ کی، اب ان کے قواعد کے بیان میں ہم فقط لفظ "مدہ" لکھیں گے، ہر جگہ اتنے لمبے

حواشی لمعہ یازدہم

[۱] اُوپر مَلاَنِ کے آٹھ حرفوں میں سے لام، راء، میم اور نون، ان چار حرفوں کے قاعدے اوپر الگ الگ چار لمعوں میں بیان ہو چکے ہیں۔ اب الف، واؤ، ہمزہ اور یاء کے چار حروف باقی رہ گئے ہیں۔ ان میں سے ہمزہ کے قاعدے تو بارہویں لمعہ میں آئیں گے اور باقی تین حروف یعنی الف، واؤ اور یاء کے قاعدے اس گیارہویں لمعہ میں بیان کئے جا رہے ہیں۔ پھر یہ سمجھنا چاہئے کہ الف تو ہمیشہ مدہ ہی ہوتا ہے، واؤ اور یاء کی تین تین حالتیں ہیں:۔ مدہ، لین اور متحرک۔ مگر واؤ اور یاء جب متحرک ہوتے ہیں تو اس وقت یہ صفات عارضہ سے خالی ہوتے ہیں، لہٰذا اس لمعہ میں صرف حروفِ مدہ اور حروفِ لین ہی سے متعلق قاعدے بیان ہوں گے۔ ۱۲

[۲] کھڑے زبر کی مثال اُولٰٓئِكَ، کھڑے زیر کی بِهٖ اور الٹے پیش کی لَهٗ ہو سکتی ہے۔ ۱۲

[۳] کیونکہ حروفِ مدہ اور یہ حرکتیں، تلفظ میں دونوں یکساں ہیں جیسا کہ حاشیہ نمبر ۲ کی مثالوں کے تلفظ سے ظاہر ہے۔ ۱۲

نام کون لکھے۔

قاعدہ نمبر ① اگر حرفِ مدہ کے بعد ہمزہ ہو اور یہ حرفِ مدہ اور ہمزہ دونوں ایک کلمہ میں ہوں تو وہاں اس مدہ کو بڑھا کر پڑھیں گے۔[۴] اور اس بڑھا کر پڑھنے کو مد کہتے ہیں۔ جیسے سَوَآءٌ، سُوْٓءٌ، سِیْٓـَٔتْ، اور اس کا نام مدِ متصل[۵] ہے[۶] اور اس کو مد واجب بھی کہتے ہیں اور مقدار اس کی تین یا چار الف ہے، اور الف کا اندازہ کرنے کا طریقہ نویں لمعہ کے قاعدہ نمبر۱ کے فائدہ میں لکھا گیا ہے۔ پس اس طریقہ کے موافق تین یا چار انگلیوں کو آگے پیچھے بند کر لینے سے یہ اندازہ حاصل ہو جاوے گا، مگر یہ مقدار اس مقدار کے علاوہ ہے جو حروفِ مدہ کی اصل مقدار ہے۔ مثلاً جَآءَ میں اگر مد نہ ہوتا تو آخر الف کی بھی تو کچھ مقدار ہے، سو اس مقدار کے علاوہ مد کرنے کی مقدار[۷] ہو گی۔

[۴] یعنی حروفِ مدہ کو ان کی اصلی مقدار سے زیادہ کھینچ کر کیوں کہ اصلی مقدار کے برابر کھینچنا تو اس وقت بھی واجب ہے جبکہ ان کے بعد ہمزہ نہ ہو ورنہ یہ حروف سرے سے حذف ہی ہو جائیں گے اور یہ بہت ہی بھاری غلطی ہے کیونکہ اس سے قرآن کا ایک حرف کم ہو جاتا ہے۔۱۲

[۵] یعنی جس کی تعریف ابھی گزری کہ حرفِ مدہ کے بعد ہمزہ اسی کلمہ میں ہو۔۱۲

[۶] اس مد کو متصل کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اس میں ہمزہ اور حرفِ مدہ دونوں ایک ہی کلمہ میں مل کر آتے ہیں، اور واجب اس کو اس لئے کہتے ہیں کہ یہ تمام رِوایتوں اور تمام قرارتوں میں کیا جاتا ہے، کسی روایت اور کسی قرارت میں اس کا ترک جائز نہیں۔ پس واجب بمعنیٰ ضروری ہے۔۱۲

[۷] اس سے یہ نکلتا ہے کہ مدِ متصل کی پوری مقدار چار یا پانچ الف ہے کیونکہ اوپر یہ فرما چکے ہیں کہ اسکی مقدار تین یا چار الف ہے اور یہاں فرمایا ہے کہ یہ مقدار مدہ کی اصلی مقدار کے علاوہ ہے، جس کا مطلب یہی ہوا کہ مدہ کی اصلی مقدار سمیت مدِ متصل کی مقدار چار یا پانچ الف

قاعدہ نمبر۲ اگر حرفِ مدہ کے بعد ہمزہ ہو اور یہ حرفِ مدہ اور وہ ہمزہ ایک کلمہ میں نہ ہوں، بلکہ ایک کلمہ کے اخیر میں تو حرفِ مدہ ہو اور دوسرے کلمہ کے شروع میں ہمزہ ہو، وہاں بھی اس مدہ کو بڑھا کر یعنی مد کیساتھ پڑھیں گے۔ جیسے اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ ۔ اَلَّذِيْٓ اَطْعَمَهُمْ ۔ قَالُوْٓا اٰمَنَّا، مگر یہ مد اس وقت ہوگا جب دونوں کلموں کو ملا کر پڑھیں، اور اگر کسی وجہ سے پہلے کلمہ پر وقف کر دیا تو پھر یہ مد[۸] نہ پڑھیں گے، اور اس مد کو مد منفصل[۹] اور مد جائز بھی کہتے ہیں اور اس کی مقدار بھی تین الف

ہے، لیکن اس میں نظر ہے۔ اس لئے کہ دوسرے محققین نے مد متصل کی مقدار مع مد طبعی کے زیادہ سے زیادہ چار الف بتائی ہے۔ چنانچہ حضرت مولانا قاری عبدالخالق صاحب تیسیر التجوید میں تحریر فرماتے ہیں:۔ "مد متصل اور منفصل میں توسط ہوتا ہے یعنی دو الف کے برابر کھینچا جاتا ہے اور تین الف کے برابر کھینچنا بھی جائز ہے"۔ اور پھر فرماتے ہیں کہ: "یہ مقدار مد اصلی کے علاوہ ہے یعنی ایک الف مد اصلی کی مقدار اور دو یا تین الف مد فرعی کی مقدار ملا کر کل تین الف یا چار الف تک کھینچنا چاہئے"۔ اور فوائد مکیہ میں ہے:۔ "مد متصل اور منفصل کی مقدار میں کئی قول ہیں: دو الف، اڑھائی الف، چار الف ... الخ"۔ اس سے بھی یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ متصل کی مقدار مع مد طبعی کے چار الف سے زیادہ نہیں، کیونکہ اگر مصنف فوائد مکیہ کے نزدیک یہ مقدار مد اصلی کے علاوہ ہوتی تو آگے اس کی ضرور وضاحت فرما دیتے اور یوں بھی پانچ الف طول کی آخری مقدار ہے اور مد متصل میں توسط ہوتا ہے۔ بہرحال صحیح تر یہ ہے کہ مد متصل اور منفصل کو چار الف سے زیادہ نہ کھینچا جائے وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔۱۲

[۸] اس لئے کہ اس صورت میں ہمزہ حرفِ مد سے جدا ہو جاتا ہے اور یہ مد ہمزہ ہی کی وجہ سے ہوتا ہے۔۱۲

[۹] اس لئے کہ اس میں ہمزہ حرفِ مدہ سے اس معنیٰ کر کے جدا ہوتا ہے کہ حرفِ مد ایک کلمہ کے آخر میں ہوتا ہے اور ہمزہ دوسرے کلمہ کے شروع میں، اور جائز اس لئے کہتے ہیں کہ یہ مد واجب کی طرح تمام روایتوں میں نہیں کیا جاتا بلکہ بعض میں کیا جاتا ہے اور بعض میں نہیں

یا چار الف ہے، جیسے متصل کی تھی، اور اگر ان دونوں کی الگ الگ کسی کو پہچان نہ ہو تو فکر نہ کریں، کیونکہ دونوں ایک ہی[10] طرح پڑھے جاتے ہیں۔ ۱۲

قاعدہ نمبر۳ اگر ایک کلمہ میں حرفِ مدہ کے بعد کوئی حرف ساکن ہو جس کا سکون اصلی ہو یعنی اس پر وقف کرنے کے سبب سے سکون نہ ہوا ہو، جیسے آلْـٰٔنَ اس میں اول حرف ہمزہ ہے دوسرا حرف الف ہے اور وہ مدہ ہے اور تیسرا حرف لام ساکن ہے اور اسکا ساکن ہونا ظاہر ہے کہ وقف کے سبب سے نہیں ہے چنانچہ اس پر وقف نہ کریں تب بھی ساکن ہی پڑھیں گے تو ایسے مدہ پر بھی مد ہوتا ہے اور اس کا نام مدلازم[11] ہے، اور اس کی مقدار تین الف ہے اور ایسے[12] مد کو کلمی مخفف کہتے ہیں۔

قاعدہ نمبر۴ اگر ایک کلمہ میں حرفِ مدہ کے بعد کوئی حرف مشدد ہو

کیا جاتا، اور یوں بھی پہلے کلمہ پر وقف کرنے کی صورت میں یہ گر جاتا ہے۔ جیسا کہ متن میں بھی ہے۔ ۱۲

[10] ایک ہی طرح سے مراد یہی ہوسکتی ہے کہ دونوں کی مقدارِ مد ایک ہی ہے۔ ورنہ ظاہر ہے کہ ادا ہونے میں تو سب مدیں ایک ہی طرح کی ہیں، یہ دونوں بھی اور آئندہ آنے والی بھی۔ پس یہاں "ہر طرح" کو بمعنیٰ مقدار ہی سمجھنا چاہئے وَاللّٰہُ اَعْلَمُ۔ ۱۲

[11] اس لئے کہ یہ مد سکونِ لازم یعنی سکونِ اصلی کی وجہ سے ہوتا ہے، جیسا کہ تعریف اور مثال سے ظاہر ہے۔ ۱۲

[12] یعنی جس کسی کلمہ میں حروفِ مدہ کے بعد سکونِ لازم مخفف ہو۔ جس کی مثال اوپر متن میں آلْـٰٔنَ دی گئی ہے۔ یہ مدلازم کی ایک قسم ہے، تین قسمیں اسکی اور ہیں۔ ان کی تعریف اور مثالیں آگے متن میں آرہی ہیں، اور مطلق مدلازم کی تعریف اس طرح یاد رکھنی چاہئے کہ حرفِ مد کے بعد اگر سکون لازم ہو جو وقف اور وصل دونوں حالتوں میں ثابت رہے تو اس مد کو "مدلازم" کہتے ہیں۔ چنانچہ اس کی چاروں قسموں میں یہی بات پائی جاتی ہے۔ ۱۲

جیسے ضَآلِّیْنَ اس میں الف تو مدہ ہے اور اسکے بعد لام پر تشدید ہے اس مدہ پر بھی مد ہوتا ہے اور اسکا نام بھی مد لازم ہے اور اسکی مقدار بھی تین الف ہے اور ایسے مد کو کلمی مثقل کہتے ہیں[۱۳]۔

قاعدہ نمبر ⑤ بعض سورتوں کے اوّل میں جو بعضے حروف الگ الگ پڑھے جاتے ہیں، جیسے سورہ بقرہ کے شروع میں ہے الٓمّٓ یعنی اَلِفْ لَامْ مِّیْمْ، ان کو حروفِ مُقَطَّعَۃ[۱۴] کہتے ہیں۔ ان میں ایک تو خود الف ہے اس کے متعلق تو یہاں کوئی قاعدہ[۱۵] نہیں اور اس کے سوا جو اور حروف رہ گئے، وہ دو طرح کے ہیں:۔ ایک تو وہ جن میں تین حرف ہیں جیسے لام، میم، قاف، نون اور ایک وہ جن میں دو حرف ہیں جیسے طا، ھا سو جن میں دو حرف ہیں ان کے متعلق بھی یہاں کوئی قاعدہ[۱۶] نہیں اور جن میں تین حرف ہیں ان پر مد ہوتا ہے اس کو بھی مد لازم کہتے ہیں اور اس کی مقدار بھی تین الف ہے اور ایسے مد کو مد حرفی[۱۷] کہتے ہیں، پھر ان میں سے جن حروفِ مُقَطَّعَۃ کے

[۱۳] کیونکہ اس میں حرفِ مد کے بعد والا حرف جس کی وجہ سے یہ مد کیا جاتا ہے، مشدد پڑھا جاتا ہے، مشدد اور مثقل دونوں کا مطلب ایک ہی ہے۔۱۲

[۱۴] کیونکہ مقطعات کے معنٰی ہی یہی ہیں کہ کٹے کٹے اور الگ الگ پڑھے جانے والے حروف۔

[۱۵] کیونکہ اس میں سرے سے حرفِ مد ہی نہیں، اور اس لمعہ میں حروفِ مد ہی کے متعلق قاعدے بیان ہو رہے ہیں۔۱۲

[۱۶] کیونکہ ان میں اگر چہ حرفِ مد تو ہے مگر بعد میں سکون نہیں، اور مد لازم سکون ہی کی وجہ سے ہوتا ہے اور یہاں قاعدہ سے مراد مد لازم کا قاعدہ ہی ہے۔ اس لئے کہ بحث اسی کی چل رہی ہے ورنہ مد اصلی تو ان دو حرفی مقطعات میں ہوتا ہی ہے، وَاللّٰہُ تَعَالٰی اَعْلَمُ۔۱۲

[۱۷] اس کو مد حرفی اس لئے کہتے ہیں کہ یہ حروفِ مقطعات میں ہوتا ہے اور یہ مقابل ہے مد کلمی کا جس کا ذکر قاعدہ نمبر ۳ اور ۴ میں آچکا ہے۔

اخیر حرف پر پڑھنے کے وقت تشدید ہے ان کے مد کو مد حرفی مثقل کہتے ہیں۔ جیسے الٓـمّٓ میں لام کو جب میم کے ساتھ پڑھتے ہیں تو اس کے اخیر میں تشدید[18] پیدا ہوتی ہے اور جن میں تشدید نہیں ہے ان کے مد کو مد حرفی مخفف[19] کہتے ہیں۔ جیسے الٓـمّٓ میں میم کے اخیر میں تشدید نہیں ہے۔

تنبیہ ① تین حرفی مقطعات میں جن میں مد پڑھنا بتلایا گیا ہے، اکثر[20] میں تو بیچ کا حرف مدہ ہی ہے، جس کے بعد کہیں تو حرفِ ساکن ہے جیسے مِیْمٓ میں یاء مدہ ہے اور اس کے بعد میم ساکن ہے اور کہیں حرفِ مشدد ہے جیسے لَآمّٓ میں الف مدہ ہے اور اس کے بعد میم مشدد ہے اور مدہ پر ایسے مواقع میں ہمیشہ مد ہوتا ہی ہے تو ان میں مد ہونا عام قاعدہ[21] کے موافق ہے۔ البتہ جن تین حرفی مقطعات میں بیچ کا حرف مدہ نہیں

---

* پس خلاصہ یہ ہوا کہ اگر تو مد لازم حروفِ مقطعات میں ہو تو یہ "مد لازم حرفی" کہلائے گا اگر کسی اور کلمہ میں ہو جس کی دو مثالیں اوپر متن میں قاعدہ نمبر۳ اور ۴ کے ضمن میں گزر چکی ہیں یعنی آٰلْـٰٔنَ اور وَلَا الضَّآلِّیْنَ تو اس مد کو "مد لازم کلمی" کہیں گے۔ پھر حرفی اور کلمی میں سے ہر ایک کی دو دو قسمیں ہیں: مثقل اور مخفف، پس یہ کل چار قسمیں ہوئیں، جن میں سے تین کا بیان اوپر آچکا ہے اور چوتھی قسم کا ذکر آگے آرہا ہے۔ ۱۲

[18] کیونکہ اس صورت میں دونوں میم مل کر ایک مشدد میم کی طرح ہو جاتے ہیں۔ ۱۲

[19] مخفف کے معنٰی غیر مشدد کے ہیں اور یہ مقابل ہے مثقل کا۔ ۱۲

[20] یعنی آٹھ میں سے سات میں، کیونکہ تین حرفی حروفِ مقطعات کل آٹھ ہیں، جن کا مجموعہ کَمْ عَسَلٍ نَّقَصْ ہے۔ پس ان میں سے سات میں تو بیچ کا حرف مدہ ہے اور ایک یعنی لفظ عَیْنٓ میں بیچ کا حرف یائے لین ہے، خوب سمجھ لو۔ ۱۲

[21] یعنی مد لازم کے عام قاعدہ کی رُو سے کیونکہ ان سب میں حرفِ مد کے بعد سکونِ لازم پایا جارہا ہے، اور یہی تعریف ہے مد لازم کی کہ حرفِ مد کے بعد سکونِ لازم ہو۔ جیسا کہ گزرا۔ ۱۲

ہے، جیسے کٓھٰیٰعٓصٓ میں عٓ ہے، وہاں مد ہونا اس عام قاعدے کے موافق نہیں[۲۲] ہے اور اسی واسطے اگر مد نہ کریں تب بھی درست ہے، لیکن افضل یہی ہے کہ مد کریں اور اس کو مد لازم[۲۳] لین کہتے ہیں۔

تنبیہ ۲ جو حروفِ مقطعات اخیر میں ہیں ان پر مد اس وقت ہے جب اس پر وقف کریں اور اگر مابعد سے ملا کر پڑھیں تو پھر مد کرنا اور نہ کرنا دونوں[۲۴] جائز ہیں جیسے سورۂ آل عمران میں الٓمّٓ کے میم کو اگر اَللّٰہُ سے ملا کر پڑھیں تو مد کرنے اور نہ کرنے کا اختیار ہے۔

قاعدہ نمبر ۶ اگر حرفِ مدہ کے بعد کوئی حرف ساکن ہو جس کا سکون اصلی نہ ہو یعنی اس پر وقف کرنے کے سبب سکون ہو گیا ہو اور یہ ساکن مقابل[۲۵] ہے اس ساکن کا جو قاعدہ نمبر۳ کے شروع میں مذکور ہوا ہے تو اس مدہ پر مد کرنا جائز ہے اور نہ کرنا بھی درست ہے، لیکن کرنا بہتر ہے۔ جیسے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ[۲۶] پر اور اس کو

[۲۲] کیونکہ مد لازم کا عام قاعدہ یہ ہے کہ سکونِ لازم حرفِ مدہ کے بعد ہو اور یہاں حرفِ لین کے بعد ہے۔ خوب سمجھ لو۔ ۱۲

[۲۳] کیونکہ اس میں بیچ کا حرف حرفِ لین ہے، مدہ نہیں۔ ۱۲

[۲۴] اس قاعدہ کو عام نہیں سمجھنا چاہئے، بلکہ یہ سورۂ آلِ عمران ہی کے شروع کے ساتھ خاص ہے، جس کی وجہ یہ ہے کہ اس کو مابعد سے ملا کر پڑھنے کی صورت میں میم پر اجتماعِ ساکنین علیٰ غیر حدہٖ کی وجہ سے عارضی طور پر حرکت آ جاتی ہے، اس کے سوا کسی اور سورۃ کے شروع میں یہ صورت پیش نہیں آتی۔ پس باقی ہر جگہ اخیر والے حروفِ مقطعات میں وصل و وقف دونوں حالتوں میں مد ہی ہو گا۔ خوب سمجھ لو۔ ۱۲

[۲۵] کیونکہ وہ سکون اصلی تھا اور یہ سکون عارضی ہے۔ ۱۲

[۲۶] چنانچہ اس کا نون صرف بحالتِ وقف ہی ساکن پڑھا جاتا ہے اور وصل کی حالت میں

مد وقفی اور مدِ عارض[۲۷] بھی کہتے ہیں اور یہ مد تین الف کے برابر ہے اور اس کو طول کہتے ہیں اور یہ بھی جائز ہے کہ دو الف کے برابر مد کریں اور اس کو توسط کہتے ہیں اور یہ بھی جائز ہے کہ بالکل مد[۲۸] نہ کریں یعنی ایک ہی الف کے برابر پڑھیں کہ اس سے کم میں حرف ہی نہ رہے گا۔ (آگے تنبیہ سوم دیکھو) اس کو قصر کہتے[۲۹] ہیں اور اس میں افضل طول ہے پھر توسط پھر قصر۔ اور یہ بھی یاد رکھو کہ ان تینوں میں سے جو طریقہ اختیار کرو ختم تلاوت تک اسی کے موافق کرتے چلے جاؤ۔ ایسا نہ کرو کہ کہیں طول کہیں قصر کہ یہ بدنما ہے اور یہ مد[۳۰] بھی مد جائز کی ایک قسم ہے، اور جہاں خود مدہ پر وقف ہو وہاں یہ مد نہیں[۳۱] ہوتا جیسے بعضے

متحرک ادا ہوتا ہے۔ پس ایسا سکون جو وقف کی وجہ سے ہو "سکونِ عارض" کہلاتا ہے اور اَلرَّحِیْم، تَفْعَلُوْنَ اور تُکَذِّبَانِ بھی اس کی مثالیں ہیں۔ ۱۲

[۲۷] وجہ ظاہر ہے، کیونکہ یہ مد اس سکون کی وجہ سے ہوتا ہے جو وقف کی وجہ سے عارض ہوتا ہے، اور وقفی کہنے کی وجہ بھی اسی سے معلوم ہو گئی۔ ۱۲

[۲۸] یعنی مد فرعی بالکل نہ کریں، اور یہاں بالکل مد نہ کرنے سے یہی مراد ہے، کیونکہ مد اصلی جس کی مقدار ایک الف ہے وہ تو ہر حال میں ضروری ہے۔ اس لئے کہ اس کے ادا نہ ہونے سے تو حرف کی ذات ہی باقی نہیں رہتی، اور قصر بھی اسی کو کہتے ہیں کہ صرف مد اصلی ہی کی جائے اور فرعی بالکل نہ کی جائے۔ متن میں تنبیہ سوم کا جو حوالہ دیا گیا ہے تو وہ بھی اسی لئے کہ اس میں مد اصلی اور مد فرعی کا فرق سمجھایا گیا ہے۔ ۱۲

[۲۹] پس عارض وقفی میں تین وجہیں ہوئیں:۔ طول، توسط، قصر اور اب آگے ان کے مراتب بیان کرتے ہیں۔ ۱۲

[۳۰] یعنی مد عارض وقفی، جس کا بیان چل رہا ہے کیونکہ اس میں بھی مد کا کرنا اور نہ کرنا، دونوں وجہیں جائز ہیں۔ جیسا کہ متن میں گزرا۔ ۱۲

[۳۱] یعنی مد عارض، کیونکہ اس کے لئے حرفِ مد کے بعد سکونِ عارض کا ہونا ضروری ہے۔

لوگ غَفُوْرًاo شَکُوْرًاo پر وقف کر کے مد کرتے ہیں، جو بالکل غلط ہے۔

تنبیہ ① مد عارض جس طرح مدہ پر جائز ہے اسی طرح لین[۳۲] پر بھی جائز ہے یعنی واؤ ساکن جس سے پہلے زبر ہو اور یاء ساکن جس سے پہلے زبر ہو (دیکھو لمعہ ۵ نمبر۱۳) جیسے وَالصَّیْفْo پر یا مِنْ خَوْفْo پر وقف کریں اور جس طرح طول جائز ہے اسی طرح توسط اور قصر بھی، مگر اس میں افضل قصر ہے پھر توسط پھر طول[۳۳] اور اس مد کو مد عارض لین کہتے ہیں۔

تنبیہ ② حرفِ لین کے متعلق ایک قاعدہ لمعہ نمبر۱۱ قاعدہ نمبر۵ تنبیہ نمبر۱ میں بھی گزرا ہے، دیکھ لو کیونکہ وہاں حروفِ مُقَطَّعَۃ میں سے جو عٓ ہے اسکی یاء[۳۴] حرفِ لین ہے۔

تنبیہ ③ یہاں تک جتنی قسمیں مد کی مذکور ہوئیں یہ سب مد[۳۵] فرعی کہلاتی ہیں، یعنی

جیسا کہ اسکی تعریف میں بیان ہوا، اور ان مثالوں میں یہ سکون نہیں ہے البتہ مد اصلی یہاں بھی ہو گا۔۱۲

[۳۲] کیونکہ حرفِ لین کو حرفِ مد کے ساتھ ایک طرح کی مشابہت ہے کہ دونوں ساکن ہی ہوتے ہیں۔۱۲

[۳۳] پس اس میں مد عارض وقفی کا الٹ ہوا، کیونکہ اس میں طول افضل تھا، پھر توسط اور پھر قصر اور اس میں افضل قصر ہے، پھر توسط اور پھر طول کا مرتبہ ہے اور لین لازم کا حال بھی مد وقفی کی طرح ہے کہ اس میں بھی پہلا مرتبہ طول کا ہے۔ مگر یہ ملحوظ رہے کہ لین عارض اور لین لازم کے قصر کی مقدار عارض وقفی کے قصر سے کم ہے یعنی ایک الف کے برابر نہیں۔۱۲

[۳۴] مگر فرق اتنا ہے کہ اس کا مد لین لازم ہے اور وَالصَّیْفِ وغیرہ کا لین عارض، کیونکہ وہ سکونِ لازم کی وجہ سے ہوتا ہے اور یہ سکونِ عارض کی وجہ سے۔۱۲

[۳۵] کیونکہ فرعی کی تعریف یہ ہے کہ حرفِ مد کے بعد سکون یا تشدید یا ہمزہ ہو۔ چنانچہ اوپر کی تمام قسموں میں حرفِ مد کے بعد ان میں سے ایک نہ ایک چیز ضرور پائی جاتی تھی، اس کے

چونکہ اصل حرف سے زائد ہیں، اور ایک مد اصلی ہے اور اسکو ذاتی اور طبعی بھی کہتے ہیں[۳۶] یعنی الف اور واؤ اور یاء کی اتنی مقدار کہ اگر اس سے کم پڑھیں تو وہ حرف ہی نہ رہے[۳۷] بلکہ زبر یا پیش یا زیر رہ جاوے اور اسکے متعلق کوئی قاعدہ[۳۸] نہیں ہے۔

قاعدہ نمبر ⑦ یہ قاعدہ[۳۹] حروفِ مدہ میں سے صرف الف کے متعلق ہے وہ یہ کہ الف خود باریک پڑھا جاتا ہے[۴۰] لیکن اس سے پہلے اگر کوئی حرف پُر ہو یعنی یا تو حروفِ

مقابلہ میں مد کی ایک قسم اور ہے جس کو "مد اصلی" کہتے ہیں اور مد اصلی کی تعریف یہ ہے کہ حرفِ مد کے بعد نہ ہمزہ ہو نہ سکون اور نہ تشدید۔ اور متن میں مد فرعی اور مد اصلی کی تعریف نہیں بتائی گئی صرف ان کی مقدارِ مد کو بیان کیا گیا ہے۔۱۲

[۳۶] یہ دونوں بھی مد اصلی کے نام ہیں۔ "ذاتی" کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اس مقدار کے بغیر حرف کی ذات ہی نہیں پائی جاتی اور "طبعی" اس لئے کہتے ہیں کہ حرفِ مدہ کو اتنا کھینچنا طبیعتِ سلیمہ کا تقاضا ہے۔۱۲

[۳۷] چنانچہ قَالَ، قِيْلَ اور قُوْلُوْا میں حروفِ مدہ کو اگر اتنا یعنی ایک الف کے برابر بھی نہ کھینچا جائے تو ظاہر ہے کہ اس صورت میں یہ حروف ادا نہ ہوں گے بلکہ صرف حرکتیں ہی رہ جائیں گی۔ خوب سمجھ لو۔۱۲

[۳۸] یعنی مد فرعی کا کوئی قاعدہ۔ ورنہ ظاہر ہے کہ مد اصلی کا قاعدہ تو اس صورت میں بھی پایا جارہا ہے۔۱۲

[۳۹] مگر اس قاعدہ کے پڑھتے وقت یہ بات ذہن میں رہنی چاہئے کہ یہ قاعدہ مد سے متعلق نہیں بلکہ الف کے پُر اور باریک ہونے کے بارے میں ہے، کیونکہ حروفِ مستفلہ میں سے تین حرف ایسے بھی ہیں جو بعض حالتوں میں پُر پڑھے جاتے ہیں اور بعض حالتوں میں باریک اور وہ یہ ہیں:۔ لام، راء، الف۔ پس لام اور راء کے پُر اور باریک پڑھنے کے قاعدے تو اوپر ساتویں اور آٹھویں لمعہ میں بیان کر چکے ہیں اور الف کا قاعدہ یہاں بیان فرمارہے ہیں۔۱۲

[۴۰] مؤلف رحمہ اللہ کا الف کو خود یعنی اپنی ذات میں باریک فرمانا اس بناء پر ہے کہ یہ حروفِ

مستعلیہ میں سے کوئی حرف ہو جن کا بیان لمعہ نمبر ۵ صفت نمبر ۵ میں گزر چکا ہے، یا حرف رار ہو جو کہ مفتوح ہونے سے پُر ہو جاوے گی، یا پُر لام ہو جیسے لفظ اَللّٰہ کا لام ہے جبکہ اس سے پہلے زبر یا پیش ہو، تو ان صورتوں[۴۱] میں الف کو بھی موٹا پڑھیں گے اور جاننا چاہئے کہ ان حرفوں کے پُر ہونے میں بھی تفاوت ہے تو ویسا ہی تفاوت اس الف کے پُر ہونے[۴۲] میں بھی ہو گا جو ان حرفوں کے بعد آیا ہے۔ سو سب سے زیادہ پُر تو اسم اَللّٰہ کا لام ہے، اسکے بعد طار، اس کے بعد صاد اور ضاد، ان کے بعد ظار، اس کے بعد قاف، اس کے بعد غین اور خار، ان کے بعد رار۔ (حقیقۃ التجوید)

مستعلیہ میں سے نہیں ہے، ورنہ یہ چونکہ ادا اور تلفظ میں مستقل نہیں اس لئے تفخیم اور ترقیق میں بھی مستقل نہیں، بلکہ حرفِ ماقبل ہی کے تابع ہے۔۱۲

[۴۱] پس خلاصہ یہ ہوا کہ سات حروفِ مستعلیہ اور ایک رار ان آٹھ حرفوں کے بعد تو الف ہمیشہ پُر ہو گا، اور لام میں یہ تفصیل ہے کہ اگر لفظ اللہ کا لام ہے اور اس سے پہلے فتحہ یا ضمہ ہے تو ایسے لام کے بعد بھی الف پُر ہی ہو گا، اور اگر لفظ اللہ کے لام سے پہلے زیر ہے تو الف باریک ہو گا جیسے لِلّٰہِ، بِاللّٰہِ وغیرہ اور باقی انیس حرفوں کے بعد اور ایسے ہی اس لام کے بعد بھی جو لفظ اللہ کا نہ ہو، ہمیشہ باریک ہی ہو گا۔۱۲

[۴۲] پس جس حرف کے بعد الف واقع ہو گا تو اس میں تفخیم بھی اس حرف کے اعتبار سے ہو گی لہٰذا سب سے زیادہ تفخیم لفظ اللہ کے لام کے بعد والے الف میں ہو گی اور سب سے کم رار کے بعد والے الف میں۔ (استاد کو چاہئے کہ ادا کر کے بتا دے تاکہ فرق معلوم ہو جائے اور تفاوت کے معنٰی فرق ہی کے ہیں)۔۱۲

بارھواں لمعہ

ہمزہ کے قاعدوں میں

اسکے بعضے قاعدے تو بدوں[1] عربی پڑھے سمجھ میں نہیں آسکتے اسلئے صرف دو موقع کے قاعدے لکھے دیتا ہوں کہ سب قرآن پڑھنے والوں کو ان کی ضرورت[2] ہے۔

قاعدہ نمبر ① چوبیسویں پارے کے ختم کے قریب ایک آیت میں یہ آیا ہے:۔ ءَاَعْجَمِيٌّ سو اس کا دوسرا ہمزہ ذرا[3] نرم کر کے پڑھو، اس کو تسہیل کہتے ہیں[4]۔

حواشی لمعہ دوازدہم

[1] اس لئے کہ ہمزہ کے قاعدوں کو پوری طرح سمجھنے کے لئے ہمزہ کی اَقسام جاننا ضروری ہیں۔ یعنی یہ کہ ہمزہ اصلی کونسا ہے اور زائد کونسا، اور پھر یہ کہ وصلی کونسا ہے اور قطعی کونسا وغیرہ وغیرہ اور یہ چیزیں کتبِ عربیہ میں ہی بیان کی جاتی ہیں۔۱۲

[2] ان دو قاعدوں کے جاننے کی سب پڑھنے والوں کو ضرورت اس لئے ہے کہ ان موقعوں میں بالعموم قاعدہ کے موافق یاد نہیں ہوتا بخلاف دوسرے موقعوں کے، کہ ان میں یاد ہی قاعدہ کے موافق ہوتا ہے، اس لئے ان کا قاعدہ جاننے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی وَاللّٰہُ اَعْلَمُ۔ نمبر ایک اور دو کی مزید وضاحت لمعہ نمبر۶ حاشیہ نمبر۱۰ اور ۱۱ میں دیکھ لی جائے۔۱۲

[3] یعنی اس طرح کہ نہ تو تحقیق والے ہمزہ کی طرح قوی اور سخت ادا ہو اور نہ اتنا نرم کہ بالکل الف ہی سے بدل جائے بلکہ دونوں کی درمیانی کیفیت پر ادا ہو۔ صحیح کیفیت استاد کی زبان سے سننے سے ہی معلوم ہوسکتی ہے۔۱۲

[4] یعنی اسی طرح پڑھنے کو جسکی کیفیت سابقہ حاشیہ میں بیان ہو چکی ہے، قاریوں کی بول چال میں اسی کو تسہیل کہتے ہیں۔ گو تسہیل اس کے سوا تین کلموں میں اور بھی ہے، لیکن چونکہ وہاں تسہیل کے علاوہ اِبدال بھی جائز ہے بلکہ اَولیٰ اِبدال ہی ہے اور استادوں کا عام طور پر عمل

قاعدہ نمبر۲ سورہ حجرات کے دوسرے رکوع میں یہ آیا ہے: بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ سو اس کو اس طرح پڑھو کہ بِئْسَ کے سین پر تو زبر پڑھو اور اس کو بعد کے کسی حرف سے نہ ملاؤ، پھر لام جو اس کے بعد لکھا ہے اس کو زیر دے کر بعد کے سین سے ملا دو، پھر میم کو اگلے لام سے ملا دو۔ خلاصہ یہ ہے کہ اَلْاِسْمُ کے لام سے آگے پیچھے جو دو ہمزے بشکل الف لکھے ہیں[۵] ان کو بالکل مت پڑھو۔

وقف کرنے یعنی کسی کلمہ پر ٹھیرنے کے قواعد میں

اصل فن تجوید تو مخارج اور صفات کی بحث ہے جو بفضلہٖ تعالیٰ بقدر ضرورت اوپر لکھی

بھی اِبدال پر ہی ہے اس لئے مؤلف رحمہ اللہ نے ان کلموں کو بیان نہیں فرمایا ہے۔۱۲

[۵] ان دونوں کو بھی اور اَلْفُسُوْقُ کے شروع میں جو ہمزہ بشکل الف لکھا ہوا ہے اس کو بھی تینوں کو نہ پڑھو جب ہی میم لام سے مل سکتا ہے جسکے ملانے کی متن میں ہدایت کی گئی ہے۔۱۲

حواشی لمعہ سیزدہم

[۱] جس طرح قرآن شریف کو تجوید کے ساتھ یعنی صحیح پڑھنا ضروری ہے اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ جب قاری کو پڑھتے پڑھتے کسی جگہ ٹھہرنے کی ضرورت پیش آئے تو اسی طریقے کے موافق ٹھہرے جس طریقے سے عرب ٹھہرتے ہیں، اور ان ہی جگہوں پر ٹھہرے جہاں ٹھہرنے سے ذہن کسی نامناسب اور غلط معنیٰ کی طرف منتقل نہ ہو، بس ٹھہرنے کے انہی قاعدوں کو جن میں ٹھہرنے کی جگہوں اور ٹھہرنے کے طریقوں کو بیان کیا جاتا ہے، قاریوں کی اصطلاح (یعنی بول چال) میں وقف کے قاعدے کہتے ہیں۔ وقف کے پورے قاعدے

گئی، باقی اور تین علم اس فن کی تکمیل ہیں: علم اوقاف، علم قراءات، علم رسم خط۔ چنانچہ علم اوقاف کی ایک بحث وقف کرنے کے قواعد ہیں۔

قاعدہ نمبر ① جو شخص معنیٰ نہ سمجھتا ہو اس کو چاہئے کہ انہیں مواقع پر وقف

اور اس کا پورا بیان تو وقف ہی کی کتابوں میں ہوتا ہے مگر اس کے نہایت ضروری اور موٹے موٹے مسائل تجوید کی کتابوں میں بھی بیان کئے جاتے ہیں۔۱۲

[۲] کیونکہ علم تجوید کے ذریعہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ فلاں حرف کو کس طرح ادا کرنا چاہئے اور فلاں کو کس طرح۔

❁ علم الاوقاف میں یہ بیان کیا جاتا ہے کہ کہاں ٹھہرنا چاہئے اور کہاں نہیں ٹھہرنا چاہئے، کس کلمہ پر کس طرح ٹھہرنا چاہئے اور کس پر کس طرح۔

❁ علم رسم کا جاننا اس لئے ضروری ہے کہ بعض کلموں کی رسم اور طرح سے ہے اور پڑھے دوسری طرح سے جاتے ہیں۔

❁ علم قراءات میں یہ چیز بیان کی جاتی ہے کہ قرآنی کلمات کو وحیٔ الٰہی نے کس کس طرح پڑھنے کی اجازت دی ہے۔

یہ تمام مضامین ایک دوسرے سے متعلق ہی ہیں، کیونکہ ان میں قرآن کے الفاظ ہی سے بحث کی جاتی ہے مگر چونکہ یہ رسالہ بہت ہی مختصر اور بالکل مبتدیوں کے لئے ہے اس لئے اس میں علم قراءات کے بیان کی تو مطلقاً گنجائش نہیں، علم رسم کے متعلق جس قدر نہایت ضروری تھا اس کا بیان اجمالاً چودھویں لمعہ میں آگیا ہے اور علم وقف کے متعلق بھی پوری تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں تھی اس لئے مؤلف رحمہ اللہ نے بہت ہی مختصر انداز میں نہایت ضروری اور موٹی موٹی چند باتیں بیان فرمادی ہیں۔ اگر طلبہ ان چند باتوں کو بھی یاد کرلیں تو بہت سی غلطیوں سے محفوظ رہ سکتے ہیں۔۱۲

[۳] ان قواعد میں دونوں طرح کے قاعدے شامل ہیں۔ وہ بھی جن میں وقف کرنے کا موقعہ بیان کیا گیا ہے اور وہ بھی جن میں وقف کرنے کا طریقہ بتایا گیا ہے۔

کرے جہاں قرآن میں نشان[۴] بنا ہوا ہے، بلا ضرورت بیچ میں نہ ٹھیرے۔ البتہ اگر بیچ میں سانس ٹوٹ جاوے تو مجبوری ہے۔ پھر اگر مجبوری سے ایسا ہو تو چاہیے کہ جس کلمہ پر ٹھیر گیا تھا اس سے یا اوپر سے پھر لوٹا کر[۵] اور مابعد سے ملا کر پڑھے، اور اسکا سمجھنا کہ اسی کلمہ سے پڑھوں یا اوپر سے، بدوں معنیٰ سمجھے ہوئے[۶] مشکل ہے۔ جب تک معنیٰ سمجھنے کی لیاقت نہ ہو شبہ کے موقع میں کسی عالم[۷] سے پوچھ لے اور ایسی مجبوری کے وقت میں ایک اس کا خیال رہے کہ کلمہ کے بیچ[۸] میں وقف نہ کرے بلکہ کلمہ کے ختم پر ٹھیرے۔

[۴] کیونکہ یہ نشانات علماء نے قرآن کے معنوں میں غور کر کے عام لوگوں کی سہولت کی خاطر ہی لگائے ہیں، اور وہ نشانات یہ ہیں: دائرہ ○ م ط ج ز وغیرہ۔۱۲

[۵] تاکہ کلام مربوط اور مسلسل ہو جائے، نیز درمیان میں ٹھہرنے کے بعد آگے سے پڑھنے کی صورت میں معنیٰ کے سمجھنے میں غلطی لگ جانے کا جو امکان ہوتا ہے اس سے بھی محفوظ رہے۔۱۲

[۶] کیونکہ جب تک قرآن مجید کے معنیٰ اور نحوی ترکیب سے واقفیت نہ ہو تو ظاہر ہے کہ اِعادہ کا محل وقوع معلوم نہیں ہو سکتا، اس لئے معنیٰ سے ناواقف طلبہ کہیں درمیان میں ٹھہر جانے کی صورت میں جب اوپر سے لوٹائیں تو ان کو چاہیے کہ اسی جگہ سے لوٹائیں جہاں وقف کا نشان بنا ہوا ہو۔۱۲

[۷] یعنی کسی دوسرے وقت میں عالم کو اس موقع سے اطلاع دے کر آئندہ کے لئے اعادہ کی جگہ معلوم کر لیں، ہاں اگر کوئی عالم بروقت میسر آجائے تو اس وقت بھی دریافت کیا جا سکتا ہے، اور اگر ایسا کر لیا جائے کہ جن موقعوں میں وقف کے نشانات دور دور بنے ہوئے ہیں اور ایک نشان سے دوسرے نشان تک فاصلہ زیادہ ہے کہ ایک سانس میں پڑھا نہیں جا سکتا ان موقعوں کے متعلق کسی عالم سے دریافت کر کے ضرورت کے وقت درمیانی جگہوں سے لوٹانے کے مواقع ضبط کر لیں تو اس سے یہ مسئلہ ہمیشہ کے لئے حل ہو سکتا ہے۔۱۲

[۸] کلمہ کے درمیان وقف کرنا کسی حالت میں بھی جائز نہیں، نہ اس وقت جب وقف اختیار سے کیا جائے اور نہ اس وقت جب مجبوری سے کیا جائے، مگر چونکہ مجبوری کی حالت

اور یہ بھی جان لو کہ وقف کرنا حرکت پر غلط ہے جیسا کہ اکثر لوگ کرتے ہیں مثلاً کسی شخص کا سانس سورۂ بقرہ کے شروع میں بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْكَ کے کاف پر ٹوٹ گیا تو اس وقت کاف کو ساکن کر دینا چاہئے، زبر کیساتھ وقف نہ کریں۔ اسی طرح بے سانس توڑے وقف نہیں ہوتا جیسا کہ بعض لوگ آیت کے ختم پر ساکن حرف تو پڑھتے ہیں مگر بے سانس توڑے دوسری آیت شروع کر دیتے ہیں، یہ بھی بے قاعدہ ہے اور یہ بھی یاد رکھو کہ ایسی مجبوری میں جو کسی کلمہ پر وقف کرو تو وہ کلمہ جس طرح لکھا ہے اسی کے موافق وقف کرو، اگرچہ وہ دوسری طرح پڑھا جاتا ہو، پڑھنے کے موافق وقف نہ کریں گے۔ مثلاً اَنَا میں جو الف نون کے بعد ہے وہ ویسے تو پڑھنے میں نہیں آتا لیکن اگر اس کلمہ پر وقف کیا جاوے گا تو پھر اس الف کو بھی پڑھیں گے اور پھر جب اس کلمہ کو لوٹاویں گے تو اس وقت چونکہ مابعد سے ملا کر پڑھیں گے اس لئے یہ الف نہ پڑھا جاوے گا۔ ان باتوں[9] کو خوب سمجھ لو اور یاد رکھو ان میں بڑے بڑے حافظ غلطی کرتے ہیں۔

تنبیہ: قاعدۂ مذکورہ کے اخیر میں جو لکھا گیا ہے کہ وہ کلمہ جس طرح لکھا ہے

میں ایسی باریک باتوں کا عام طور پر خیال نہیں رہتا، اس لئے مولٰنا نے اس حالت میں احتیاط کرنے کی خصوصیت کے ساتھ ہدایت فرمائی ہے۔۱۲

[9] یعنی ان تین باتوں کو:۔ (۱) حرفِ موقوف علیہ کو ساکن کر دینا، کیونکہ حرکت کے ساتھ وقف کرنا جائز نہیں، البتہ وقف بالروم میں تھوڑی سی حرکت ادا ہوتی ہے۔ جس کا بیان عنقریب آ رہا ہے۔ (۲) حرفِ موقوف علیہ پر سانس اور آواز دونوں کا منقطع کر دینا۔ (۳) جو کلمہ جس طرح لکھا ہو وقف میں اس کو اسی طرح پڑھنا، اور ان سب باتوں کا خیال رکھنا وقف میں ہر حال میں ضروری ہے، مجبوری کے وقت میں بھی اور اس وقت بھی جب وقف اختیار سے کیا جائے۔۱۲

اس کے موافق وقف کرو، اس قاعدہ سے یہ الفاظ مستثنیٰ ہیں[۱۰]:۔ اَوْ یَعْفُوْاْ سورہ بقرہ کے اکتیسویں رکوع میں اور اَنْ تَبُوْٓاْ سورہ مائدہ کے پانچویں رکوع میں اور لِتَتْلُوْاْ سورۂ رعد کے چوتھے رکوع میں اور لَنْ نَّدْعُوْاْ سورہ کہف کے دوسرے رکوع میں اور لِیَرْبُوْاْ سورہ رُوم کے چوتھے رکوع میں اور لِیَبْلُوْاْ سورہ محمد ﷺ کے اول رکوع میں اور نَبْلُوْاْ سورہ محمد ﷺ کے چوتھے رکوع میں اور ثَمُوْدَاْ چار جگہ:۔ سورہ ہودؑ[۱۱] اور سورہ فرقان اور سورہ عنکبوت اور سورہ نجم میں، اور دوسرا قَوَارِیْرَاْ سورہ دہر کے پہلے رکوع میں، ان سب الفاظ میں الف کسی حال میں نہیں پڑھا جاتا، نہ وصل میں نہ وقف میں، اور لفظ لٰکِنَّاْ[۱۲] خاص سورہ کہف میں اور اَلظُّنُوْنَا اور اَلرَّسُوْلَا اور اَلسَّبِیْلَا یہ تینوں سورہ احزاب میں اور سَلٰسِلَاْ اور پہلا[۱۳] قَوَارِیْرَاْ یہ دونوں سورہ دہر میں اور لفظ اَنَا جہاں کہیں آوے تمام قرآن میں، ان تمام لفظوں میں بحالتِ وصل الف نہیں پڑھا جاتا اور حالتِ وقف میں الف پڑھا جاتا ہے مگر خاص لفظ سَلٰسِلَاْ کو حالتِ وقف میں بدون[۱۴] الف پڑھنا بھی مروی ہے یعنی سَلٰسِلْ۔

[۱۰] یعنی یہ الفاظ اس قاعدہ سے خارج ہیں، اور ان کے آخر میں جو الف لکھا ہوا ہے وہ وقف میں بھی نہیں پڑھا جاتا۔ ۱۲

[۱۱] اس سورۃ کے چھٹے رکوع میں یہ لفظ تین جگہ آیا ہے، مگر یہاں اس سے مراد صرف اِنَّ ثَمُوْدَاْ (آیت: ۶۸) ہے کیونکہ الف اسی کے آخر میں لکھا ہوا ہے۔ ۱۲

[۱۲] یہ اور اس کے بعد والے تمام کلمات اوپر کے قاعدہ کی مثالیں ہیں اور مطلب یہ ہے کہ ان کا الف گو حالت وصل میں نہیں پڑھا جاتا لیکن چونکہ لکھا ہوا ہے اس لئے وقف میں پڑھا جائے گا۔ ۱۲

[۱۳] کیونکہ دوسرے کا حکم اس سے پہلے ثَمُوْدَاْ وغیرہ کے ساتھ بیان ہو چکا ہے۔ ۱۲

[۱۴] پس اس میں وقفاً دو وجہیں ہوئیں:۔ بالالف اور بلا الف۔ ۱۲

قاعدہ نمبر ② جس کلمہ پر وقف کیا ہے اگر وہ ساکن ہے تب تو اس میں کوئی بات بتلانے[۱۵] کی نہیں اور اگر وہ متحرک ہے تو اس پر وقف کرنے کے تین طریقے ہیں:۔ ایک تو یہی جو سب جانتے ہیں کہ اس کو ساکن کر دیا جاوے، دوسرا طریقہ یہ ہے کہ اس پر جو حرکت ہے اس کو بہت خفیف سا ظاہر کیا جاوے، اس کو رَوم کہا جاتا ہے اور اندازہ اس کا حرکت کا تہائی حصہ ہے اور یہ زبر میں نہیں ہوتا، صرف زیر اور پیش میں ہوتا ہے جیسے بِسۡمِ اللّٰهِ کے ختم پر میم پر بہت ذرا سا زیر پڑھ دیا جاوے کہ جس کو بہت پاس والا سن سکے، یا نَسۡتَعِيۡنُ کے نون پر ایسا ہی ذرا سا پیش پڑھ دیا جاوے اور رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ کے نون پر چونکہ زبر ہے اس لئے یہاں ایسا نہ کریں[۱۶] گے، تیسرا طریقہ یہ ہے کہ اس حرکت کا اشارہ صرف ہونٹوں سے کر دیا جاوے یعنی پڑھا بالکل نہ جاوے بلکہ اس حرکت کے ظاہر پڑھنے کے وقت ہونٹ جس طرح بن جاتے ہیں اسی طرح ہونٹوں کو بنا دیا جاوے اور اس حرف کو بالکل ساکن ہی پڑھا جاوے، اور یہ اشمام کہلاتا ہے اور اس کو پاس والا بھی نہیں سن سکتا، کیونکہ اس میں حرکت زبان سے تو ادا ہوتی نہیں۔ البتہ آنکھوں والا پڑھنے والے کے ہونٹ دیکھ کر پہچان سکتا ہے کہ اس نے اشمام کیا ہے اور یہ اشمام صرف پیش میں ہوتا ہے، زبر اور زیر میں نہیں[۱۷] ہوتا مثلاً نَسۡتَعِيۡنُ کے نون پر

---

[۱۵] یعنی کوئی نئی بات، ورنہ سانس اور آواز کا توڑ دینا اور رسم الخط کا لحاظ رکھنا، یہ باتیں اس حالت میں بھی ضروری ہیں، اور اس صورت کی مثالیں قَالُوۡا، اَنۡفُسَنَا اور عَلَيۡهِمۡ وغیرہ ہیں، کیونکہ ان میں حرفِ موقوف علیہ یعنی واوٴ، الف اور میم پہلے ہی سے ساکن ہیں۔ ۱۲

[۱۶] یعنی رَوم کے ساتھ وقف نہیں کریں گے۔ ۱۲

[۱۷] پس يَعۡلَمُوۡنَ کے نون میں اور اَلرَّحِيۡمِ کے میم میں اشمام نہ ہوگا، کیونکہ نون مفتوح اور میم مکسور ہے۔ ۱۲

پیش ہے اس پیش کو پڑھا تو بالکل نہیں بلکہ نون کو بالکل ساکن پڑھا مگر ہونٹوں کو نون ادا کرنے کے وقت[18] ایسا بنا دیا جیسے پیش پڑھنے کے وقت بن جاتے ہیں، یعنی ذرا چونچ سی بنا دی۔

قاعدہ نمبر ۳ جس کلمہ کے آخر میں تنوین ہو وہاں[19] بھی رَوم جائز ہے مگر حرکت ظاہر کرنے کے وقت تنوین کا کوئی حصہ ظاہر[20] نہ کیا جاوے گا۔ (تعلیم الوقف حضرت قاری عبداللہ صاحب[21] کی)۔

قاعدہ نمبر ۴ تاء جو کہ ہ کی شکل میں گول[22] لکھی جاتی ہے مگر اس پر نقطے بھی

[18] یعنی ادا کرنے کے فوراً ہی بعد، کیونکہ اگر ہونٹوں کو ادا کرنے کے وقت گول کیا جائے گا تو پھر حرکت زبان سے بھی ادا ہو جائے گی اور اشمام میں زبان سے ادا نہیں ہوتی صرف ہونٹوں سے ہی اشارہ ہوتا ہے۔۱۲

[19] پس مطلب یہ ہے کہ خواہ ایک زیر اور ایک پیش ہو یا دو زیر اور دو پیش، دونوں صورتوں میں رَوم جائز ہے، اور نہ صرف رَوم بلکہ اشمام بھی۔ ایک زیر اور ایک پیش کی مثالیں تو متن میں موجود ہی ہیں، اور دو زیر دو پیش یعنی تنوین کی مثالیں وَهُوَعَلِيمٌ اور مِنْ رِّزْقٍ ہو سکتی ہیں۔۱۲

[20] یعنی تنوین بالکل حذف ہو جائے گا۔ پس اَلرَّحِيمِ اور مِنْ رِّزْقٍ میں اور ایسے ہی نَسْتَعِينُ اور وَهُوَعَلِيمٌ میں وقف بالروم کی صورت میں کوئی فرق نہ ہوگا، کیونکہ تنوین کے حذف ہو جانے کے بعد کلمہ منوّن اور غیر منوّن دونوں ایک ہی طرح ادا ہوتے ہیں۔۱۲

[21] یہ حضرت مؤلف رحمۃ اللہ علیہ کے علم قرارت میں استاد ہیں۔ جو مدرسہ صَولَتِيَّة مکہ معظمہ زَادَهَا اللّٰهُ شَرَفًا وَتَكْرِيمًا میں شیخ القراء تھے۔ پاک وہند کے اکثر قراء کی سند آپ ہی سے ہو کر آگے پہنچتی ہے۔

[22] ایسی تاء کو تاء مدوّرہ کہتے ہیں، اور جو لمبی لکھی جاتی ہے اس کو تاء مطولہ کہتے ہیں۔ تاء

دیئے جاتے ہیں اگر ایسی ۃ پر وقف ہو تو وہاں دو باتوں کا خیال رکھو:۔ ایک تو یہ کہ اس کو ھاء کے طور پر پڑھو، دوسرے یہ کہ وہاں رَوم اور اشمام مت کرو۔ (تعلیم الوقف)

قاعدہ نمبر۵ رَوم اور اشمام حرکت[۲۳] عارضی پر نہیں ہوتا ہے جیسے وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ میں کوئی شخص وَلَقَدْ پر وقف کرنے لگے تو دال کو ساکن پڑھنا چاہئے اسکے زیر میں رَوم نہ کرے کیونکہ عارضی ہے (تعلیم الوقف) اور اس کو بھی عربی[۲۴] والے جان سکتے ہیں، تم کو جہاں جہاں شبہ ہو کسی عالم سے پوچھ لو۔

مدوّرہ کی مثال نحل ع ۱۰ میں اَفَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ اور تاء مُطَوَّلَہ کی مثال اسی سورۃ کے ع ۱۵ میں وَاشْكُرُوا نِعْمَتَ اللّٰهِ ہوسکتی ہے۔ پس پہلے موقعہ میں اَفَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ کی تاء کو وقفاً ھاء پڑھیں گے اور دوسرے موقعہ میں دونوں حالتوں میں تاء ہی پڑھی جائے گی، اور پہلے موقعہ میں باوجود مکسور ہونے کے رَوم بھی جائز نہ ہوگا۔ ۱۲

۲۳ حرکت عارضی وہ ہے جو اجتماعِ ساکنین کی وجہ سے پہلے حرف پر آجاتی ہے۔ چنانچہ متن کی مثال میں قَدْ کی دال اصل میں ساکن ہی ہے لیکن جب اسکا اُسْتُهْزِئَ کے ساتھ وصل کیا جاتا ہے تو چونکہ اس کا سین بھی ساکن ہے اس لئے دو ساکنوں کے جمع ہو جانے کی وجہ سے دال پر عارضی طور پر کسرہ کی حرکت آجاتی ہے۔ ۱۲

۲۴ کیونکہ اس کے جاننے کے لئے کلموں کا الگ الگ ہونا اور ان کے آخری حرف کی حالت کا معلوم ہونا ضروری ہے، اور یہ چیز بغیر عربی پڑھے معلوم نہیں ہوسکتی۔ چنانچہ جب تک یہ معلوم نہ ہو کہ وَلَقَدْ الگ کلمہ ہے اور اُسْتُهْزِئَ الگ، اور ایسے ہی جب تک یہ معلوم نہ ہو کہ قَدْ کے دال کی اصلی حالت سکون ہے، اس وقت تک یہ معلوم نہیں ہوسکتا کہ یہ زیر عارضی ہے۔ (حاشیہ نمبر ۲۳ اور ۲۴ کے مضمون سے ملتا جلتا مضمون لمعہ نمبر آٹھ حاشیہ نمبر ۵ تا ۷ میں بھی بیان ہو چکا ہے)۔ ۱۲

قاعدہ نمبر⑥ جس کلمہ پر وقف کرو اگر اسکے اخیر حرف پر تشدید ہو تو رَوم اور اشمام میں تشدید بدستور باقی رہے[۲۵] گی۔ (تعلیم الوقف)

قاعدہ نمبر⑦ جس کلمہ پر وقف کیا جاوے اگر اس کے اخیر حرف پر زبر کی تنوین ہو تو حالتِ وقف میں اس تنوین کو الف سے بدل دیں[۲۶] گے جیسے کسی نے فَاِنْ كُنَّ نِسَآءً پر وقف کیا تو اس طرح پڑھیں گے : نِسَآءْ

قاعدہ نمبر⑧ جس مد وقفی کا بیان گیارھویں لمعہ کے قاعدہ نمبر۶ میں ہوا ہے اگر رَوم کیساتھ وقف کیا جائے اسوقت وہ مد[۲۷] نہ ہوگا مثلاً اَلرَّحِیْمِ یا نَسْتَعِیْنُ میں اگر پیش یا زیر کا ذرا سا حصہ ظاہر کریں تو پھر مد نہ کریں گے۔ (تعلیم الوقف)

---

[۲۵] مطلب یہ ہے کہ تنوین کی طرح وقف میں تشدید حذف نہیں ہوتی، کیونکہ تشدید کے حذف ہو جانے سے عام طور پر ایک حرف کی کمی ہو جاتی ہے۔ چنانچہ مُسْتَمِرٌّ اور مُسْتَقِرٌّ جیسی مثالوں میں راء بحالت وقف بھی مشدد ہی پڑھی جائے گی اور تشدید کا حذف ہرگز جائز نہیں ہوگا۔۱۲

[۲۶] کیونکہ زبر کا تنوین الف ہی کی شکل میں لکھا جاتا ہے جیسے خَبِیْرًا، بَصِیْرًا اور نَذِیْرًا وغیرہ کا تنوین۔ پس وصل میں تو تنوین ہی پڑھا جائے گا اور وقف میں وہ تنوین الف سے بدل جائے گا، اس لئے کہ وقف رسم کے تابع ہے۔ رہا زیر اور پیش کا تنوین سو وہ چونکہ لکھنے میں نہیں آتا اس لئے وقف میں حذف ہو جاتا ہے۔ جیسے مِنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ اور بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ کا تنوین، لیکن متن کی مثال یعنی نِسَآءً میں جو الف لکھا ہوا نہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ تماثل فی الرسم کی وجہ سے محذوف ہے، اور تماثل فی الرسم کی تشریح نصاب کی اگلی کتابوں میں آجائے گی۔۱۲

[۲۷] یہاں مد سے مراد طول اور توسط ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اَلرَّحِیْمِ، نَسْتَعِیْنُ اور تُكَذِّبٰنِ جیسے کلمات پر اگر رَوم کے ساتھ وقف کیا جائے گا تو اس صورت میں ان میں

چودھواں لمعہ

فوائد متفرقہ[1] ضروریہ کے بیان میں

اور گو ان میں سے بعض بعض فوائد اوپر[2] بھی معلوم ہو گئے ہیں مگر چونکہ دوسرے مضامین کے ذیل میں بیان ہوئے تھے شاید خیال نہ رہے اس لئے ان کو پھر لکھ دیا اور زیادہ تر نئے فائدے ہیں۔

فائدہ نمبر ① سورہ کہف کے پانچویں رکوع میں لٰكِنَّا۠ هُوَ اللّٰهُ یعنی لٰكِنَّا۠ میں الف لکھا تو ہے مگر یہ پڑھا نہیں جاتا، البتہ اگر اس پر کوئی وقف کر دے تو اس وقت پڑھا جاوے گا۔

صرف قصر ہی ہوگا، طول و توسط نہ ہوں گے۔ کیونکہ طول و توسط اسی صورت میں ہوتے ہیں جب مدہ کے بعد والے حرف کو پورے طور پر ساکن پڑھا جائے اور رَوم میں وہ پورے طور پر ساکن نہیں ہوتا بلکہ اس کی حرکت کا کچھ حصہ ادا کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ اس کی تعریف میں گزرا۔۱۲

حواشی لمعہ چہاردہم

[1] فوائد متفرقہ ایسے فائدوں کو کہتے ہیں جو کسی ایک مضمون کے ساتھ متعلق نہ ہوں بلکہ ان کے ضمن میں مختلف قسم کے مسائل بیان کئے گئے ہوں۔ چنانچہ یہاں بھی ایسا ہی ہے کہ کسی فائدہ کے ضمن میں تو کسی کلمہ کے الف کے پڑھنے اور نہ پڑھنے کا حکم بیان کیا ہے، کسی کے ضمن میں فَرَّطْتُّ اور بَسَطْتَّ کے ادغام کا حکم بتایا ہے اور کسی کے ضمن میں سکتہ کا مسئلہ بیان کیا ہے وغیرہ وغیرہ اور متفرقہ کے معنیٰ مختلفہ کے ہی ہیں۔۱۲

[2] چنانچہ نمبر ۱ تا ۶ اس سے پہلے کے مختلف لمعات میں بیان ہو چکے ہیں، جن میں سے پہلے تین کا ذکر تو تیرھویں لمعہ کے شروع میں ہے اور باقی تین کا حوالہ خود متن میں موجود ہے۔۱۲

فائدہ نمبر ② سورہ دہر کے شروع میں ہے سَلٰسِلَا۟ یعنی دوسرے لام کے بعد بھی الف لکھا تو ہے مگر یہ بھی پڑھا نہیں جاتا۔ البتہ وقف کی حالت میں الف کا پڑھنا اور نہ پڑھنا دونوں طرح درست ہے، اور پہلے لام کے بعد جو الف لکھا ہے، وہ ہر حال[۳] میں پڑھا جاتا ہے۔

فائدہ نمبر ③ اسی سورۂ دہر میں وسط کے قریب قَوَارِيْرَا۟ۙ قَوَارِيْرَا۟ دو دفعہ ہے اور دونوں کے اخیر میں الف لکھا ہے، سو ان کا قاعدہ یہ ہے کہ دوسری جگہ تو کسی حال میں الف نہیں[۴] پڑھا جاتا، خواہ وقف ہو یا نہ ہو، اور پہلی جگہ اگر وقف کرو تو الف پڑھا[۵] جاوے گا اور وقف نہ کرو تو نہیں پڑھا جاوے گا، اور زیادہ عادت یہ ہے کہ پہلی جگہ[۶] وقف کرتے ہیں دوسری جگہ نہیں کرتے تو اس صورت میں پہلی جگہ الف پڑھو دوسری جگہ مت پڑھو۔

فائدہ نمبر ④ قرآن میں ایک جگہ امالہ ہے، یعنی سورہ ہود میں جو بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا ہے اس کا بیان لمعہ نمبر ۸ قاعدہ نمبر ۴ میں دیکھ لو۔

---

۳ یعنی وقف اور وصل میں، مگر وقف سے مراد سَلٰسِلَا۟ کے آخر پر وقف ہے، ورنہ خود اس الف پر تو وقف کرنا جائز ہی نہیں، کیونکہ یہ کلمہ کے درمیان ہے۔ ۱۲

۴ کیونکہ یہ ان کلمات میں سے ہے جن کا الف باوجود لکھا ہوا ہونے کے وقف میں نہیں پڑھا جاتا اور اس کا بیان تیرھویں لمعہ کے شروع میں لِيَتْلُوَا۟ اور ثَمُوْدَا۟ وغیرہ کے ساتھ آچکا ہے۔

۵ کیونکہ یہ ان کلمات میں سے ہے جن پر وقف رسم کے مطابق ہوتا ہے اور اس کا ذکر بھی تیرھویں لمعہ میں لٰكِنَّا۟ اور اَلظُّنُوْنَا۟ وغیرہ کے ساتھ آچکا ہے۔ ۱۲

۶ کیونکہ یہاں آیت ہے اور آیت وقف کا سب سے بہتر موقع ہے۔ ۱۲

فائدہ نمبر⑤ سورہ حٰمٓ سجدہ میں ایک جگہ تسہیل ہے: ءَاَعۡجَمِیٌّ اس کا بیان بارھویں لمعہ کے قاعدہ نمبر ایک میں گزرا ہے، دیکھ لو۔

فائدہ نمبر⑥ سورہ حجرات میں بِئۡسَ الِاسۡمُ میں الِاسۡمُ کا ہمزہ نہیں پڑھا جاتا بلکہ اسکے لام کو اس کے سین سے ملا دیتے ہیں۔ اسکا بیان بھی بارھویں لمعہ کے قاعدہ نمبر۲ میں گزرا ہے۔

فائدہ نمبر⑦ لَئِنۡ، بَسَطۡتَّ اور اَحَطۡتُّ اور مَا فَرَّطۡتُّمۡ اور مَافَرَّطۡتُّ میں ادغام ناتمام[۷] ہوتا ہے یعنی طاء کو تاء کے ساتھ ملا کر مشدد کر کے اس طرح پڑھا جاوے کہ طاء اپنی صفت استعلاء واطباق کے ساتھ بدوں قلقلہ[۸] کے پُر ادا ہو اور تاء باریک ادا ہو، اور اَلَمۡ نَخۡلُقۡکُّمۡ میں بہتر[۹] یہی ہے کہ پورا ادغام کیا جاوے یعنی

[۷] ادغامِ ناتمام اور ادغامِ ناقص ایک ہی چیز ہے۔ اس کا مطلب دسویں لمعہ میں نون ساکن وتنوین کے احکام کے ضمن میں بیان ہو چکا ہے۔ یعنی ایسا ادغام جس میں مدغم، مدغم فیہ سے پوری طرح نہ بدلے بلکہ اسکی کوئی صفت باقی رہے۔ چنانچہ نون ساکن وتنوین کا ادغام واؤ اور یاء میں اور طاء کا ادغام تاء میں اسی طرح کا ہوتا ہے۔ کیونکہ وہاں نون کی صفت غنہ باقی رہتی ہے اور یہاں طاء کی صفت اطباق باقی رہتی ہے، اور ادا کرنے کا طریقہ متن میں مذکور ہے۔ رہا کانوں سے سن کر محسوس کرنا اور پھر اس کے موافق ادا کرنا، سو وہ استاد کی زبان سے سننے اور اس کے موافق مشق کرنے سے ہی ہو سکتا ہے اور طاء کے اس ادغام کی مثالیں قرآن میں یہی چار پائی گئی ہیں جو متن میں مذکور ہیں۔ ۱۲

[۸] کیونکہ اگر قلقلہ کیا جائے گا تو ادغام نہ رہے گا بلکہ اظہار ہو جائے گا۔ ۱۲

[۹] لفظ "بہتر" میں اس طرف اشارہ ہے کہ اس میں ادغام ناقص بھی جائز ہے گو غیر اَولیٰ ہے۔ ادغام تام کی کیفیت تو متن میں درج ہی ہے اور ادغام ناتمام کی کیفیت یہ ہے کہ قاف کو کاف سے پوری طرح نہ بدلا جائے بلکہ اس کی صفتِ استعلاء کو باقی رکھ کر بغیر قلقلہ کے ادا

قاف بالکل نہ پڑھا جاوے بلکہ قاف کو کاف سے بدل کر اور دونوں کو ملا کر مشدد کر کے پڑھا جاوے۔

فائدہ نمبر⑧ نٓ وَالْقَلَمِ اور یٰسٓ وَالْقُرْاٰنِ الْحَکِیْمِ میں نون اور سین کے بعد جو واؤ ہے یَرْمَلُوْنَ کے قاعدہ کے موافق جس کا ذکر دسویں لمعہ کے قاعدہ نمبر ۲ میں آچکا ہے، اس واؤ میں ادغام ہونا چاہئے مگر ادغام نہیں[10] کیا جاتا۔

فائدہ نمبر⑨ سورہ یوسف کے دوسرے رکوع میں لَا تَأْمَنَّا ہے اس میں نون پر اشمام[11] کیا کرو۔

فائدہ نمبر⑩ قرآن مجید میں کہیں کہیں سکتہ لکھا ہوا پاؤ گے، اس کا مطلب یہ ہے کہ وہاں ذرا ٹھیر جاؤ مگر سانس مت توڑو اور باقی سب قاعدے[12] اس میں وقف کے سے جاری ہوں گے، مثلاً سورہ قیامہ میں ہے: مَنْ ۜ رَاقٍ تو یَرْمَلُوْنَ کے موافق مَنْ کے نون کا راء میں ادغام ہونا چاہئے مگر ادغام نہیں ہوا کیونکہ جب سکتہ کو بجائے وقف کے سمجھا تو گویا نون اور راء میں اتصال[13] نہیں رہا اس لئے ادغام نہیں ہوا۔ اسی طرح سورہ

کیا جائے مَا فَرَّطْتُّ وغیرہ کی طرح ۔۱۲

[10] کیونکہ حضرت حفص رحمہ اللہ جن کی روایت کے موافق ہم قرآن مجید پڑھتے ہیں، انہوں نے ان کلموں کو اپنے استاد سے اظہار کے ساتھ پڑھا ہے ۔۱۲

[11] یعنی نون کی تشدید اور غنہ ادا کرتے وقت ہونٹوں کو اس طرح گول کر لیا کرو کہ جس طرح پیش کے وقت کئے جاتے ہیں۔ اسی کو اشمام کہتے ہیں اور کیفیت اس کی استاد کے ہونٹوں کو دیکھ کر ہی معلوم ہو سکتی ہے ۔۱۲

[12] یعنی آواز کا توڑنا متحرک کو ساکن کرنا، زبر کے تنوین کو الف سے بدلنا اور ادغام وغیرہ کا نہ کرنا

[13] اگرچہ وقف اور سکتہ میں یہ فرق ہے کہ وقف میں سانس توڑ دیا جاتا ہے اور سکتہ میں

کہف میں ہے: عِوَجًا ۜ قَيِّمًا تو اگر عِوَجًا پر وقف نہ کریں اور مابعد سے ملاکر پڑھیں تو اخفاء نہیں ہوگا بلکہ زبر کی تنوین کو الف [۱۴] سے بدلکر سکتہ کیا جاوے گا، اور تمام قرآن شریف میں حفص رحمہ اللہ کی روایت میں کل سکتے چار ہیں:۔ ایک سورہ قیامہ میں دوسرا سورہ کہف میں جو کہ مذکور ہوئے، تیسرا سورہ یٰسین میں: مِنْ مَّرْقَدِنَا ۜ کے الف پر جبکہ مابعد سے ملاکر [۱۵] پڑھا جاوے اور چوتھا سورہ مطففین میں كَلَّا بَلْ ۜ کے لام ساکن پر۔ بس ان کے سوا سورہ فاتحہ [۱۶] وغیرہ میں کہیں سکتہ نہیں۔

فائدہ نمبر ⑪ قرآن شریف میں جہاں پیش آوے اس کو واوٗ معروف [۱۷] کی سی

نہیں توڑا جاتا، لیکن آواز چونکہ دونوں میں توڑ دی جاتی ہے اس لئے ایک حرف کا دوسرے حرف کے ساتھ اتصال جیسے وقف میں نہیں رہتا ایسے ہی سکتہ میں بھی نہیں رہتا، اور یہ احکام یعنی ادغام اور اخفاء وغیرہ اتصال ہی کی صورت میں پیدا ہوتے ہیں، اس لئے وقف کی طرح سکتہ میں بھی یہ احکام پیدا نہیں ہوتے۔ ۱۲

[۱۴] پس سکتہ الف پر ہوگا نہ کہ تنوین پر، کیونکہ وقف کی طرح سکتہ میں بھی زبر کے تنوین کو الف سے بدلنا ضروری ہے جیسا کہ حاشیہ نمبر ۱۲ میں بیان ہوا۔

[۱۵] "ملاکر" کی قید اس لئے لگائی ہے کہ اگر یہاں وقف کر دیا جائے تو سکتہ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اس لئے کہ سکتہ وصل ہی میں ہوتا ہے۔

[۱۶] سورہ فاتحہ میں سکتہ کی نفی اس لئے فرمائی ہے کہ بعض جہلا اس میں مندرجہ ذیل سات موقعوں پر سکتہ کرتے ہیں:۔ ① اَلْحَمْدُ کے دال پر ② لِلّٰهِ کی ھاء پر ③④⑤ مٰلِكِ اِيَّاكَ اور وَاِيَّاكَ کے کاف پر ⑥ اَنْعَمْتَ کی تاء پر ⑦ اَلْمَغْضُوْبِ کی باء پر، مگر خوب یاد رکھو کہ ان موقعوں پر سکتہ کرنا بالکل غلط اور لغو ہے، جس کی کوئی اصل نہیں۔ فن کی کتابوں میں ان سکتوں سے سختی کے ساتھ روکا گیا ہے۔ ۱۲

[۱۷] یعنی باریک اور لطیف، اور بو دینے کا مطلب یہ ہے کہ پیش میں واوٗ معروف کا اور زیر

بو دے کر پڑھو، اور جہاں زیر آوے اس کو یائے معروف کی سی بو دے کر پڑھو۔ ہمارے ملک میں پیش کو ایسا پڑھتے ہیں کہ اگر اس کو بڑھا دیا جاوے تو واوٌ مجہول پیدا ہوتی ہے اور زیر کو ایسا پڑھتے ہیں کہ اگر اس کو بڑھا دو تو یائے مجہول پیدا ہوتی ہے۔ یہ بات عربی[18] زبان کے خلاف ہے۔ ایسا مت کرو بلکہ پیش کو ایسا پڑھو کہ اگر اس کو بڑھا دیا جاوے تو واوٌ معروف پیدا ہو اور زیر کو ایسا پڑھو کہ اگر اس کو بڑھا دیا جاوے تو یائے معروف پیدا ہو، اور زیر اور پیش کے اس طرح ادا ہونے کو ماہر استاد سے سن لو، لکھا ہوا[19] دیکھنے سے سمجھ میں شاید نہ آیا ہو۔

فائدہ نمبر ⑫ جب واوٌ مشدد یا یاء مشدد پر وقف ہو تو ذرا سختی[20] سے تشدید کو بڑھانا چاہئے تاکہ تشدید باقی رہے جیسے عَدُوٌّ اور عَلَى النَّبِيِّ۔

میں یائے معروف کا اثر ہونا چاہئے۔ اس طرح کہ اگر زیر اور پیش کو کھینچا جائے تو اس سے واوٌ اور یائے معروف پیدا ہوں نہ کہ مجہول۔ جیسا کہ کچھ آگے چل کر متن میں بھی اس کی وضاحت کی گئی ہے۔ ۱۲

[18] اس کا مطلب یہ ہے کہ عربی میں واوٌ اور یائے مجہول کا تلفظ ہے ہی نہیں البتہ فارسی اور اردو میں معروف اور مجہول دونوں طرح کے واوٌ اور یاء پائے جاتے ہیں۔ مثالیں آئندہ حاشیہ میں دیکھو۔ ۱۲

[19] ظاہر ہے کہ کسی حرف کا تلفظ جس طرح سننے سے سمجھ میں آسکتا ہے لکھا ہوا دیکھ کر اس طرح سمجھ میں نہیں آسکتا۔ البتہ معروف اور مجہول دونوں طرح کی واوٌ اور یاء کی مثالوں میں غور کرنے سے فرق محسوس ہوسکتا ہے۔ واوٌ اور یاء معروف کی مثالیں نور، جمیل اور مجہول کی مثالیں مور اور درویش ہوسکتی ہیں۔ ۱۲

[20] کیونکہ سختی سے ادا نہ کرنے کی صورت میں واوٌ اور یاء سے پہلے والے ضمہ اور کسرہ میں اِشباع ہو جاتا ہے اور واوٌ اور یاء مخفف ہو جاتے ہیں اور تشدید باقی نہیں رہتی، اور تشدید کے

فائدہ نمبر⑬ سورہ یوسف میں ہے وَلَيَكُوْنًا مِّنَ الصّٰغِرِيْنَ اور سورۂ اقرأ میں ہے لَنَسْفَعًا ۢبِالنَّاصِيَةِ اگر وَلَيَكُوْنًا اور لَنَسْفَعًا پر وقف کرو تو الف سے[۲۱] پڑھو یعنی تنوین مت پڑھو۔

فائدہ نمبر⑭ چار لفظ قرآن مجید میں ہیں کہ لکھے تو جاتے ہیں صاد سے اور اس صاد پر چھوٹا سا سین لکھ دیتے ہیں، اسکا قاعدہ[۲۲] سمجھ لو:۔ ایک تو سورۂ بقرہ میں ہے

بڑھانے کا مطلب یہ ہے کہ اس میں دو حرفوں جتنی دیر لگانی چاہئے۔ پس حرفِ مشدد میں دو باتوں کا خیال رکھا جائے:۔ ایک یہ کہ مخرج کو کچھ سختی سے ملایا جائے اور دوسری یہ کہ کچھ دیر تک ملائے رکھا جائے، لیکن اس کا بھی خیال رہے کہ تشدید کے اہتمام میں واؤ اور یاء شدیدہ نہ ہو جائیں، تشدید اور چیز ہے، شدت اور چیز۔ ۱۲

[۲۱] وَلَيَكُوْنًا اور لَنَسْفَعًا کی ظاہری صورت کو دیکھتے ہوئے تو اس فائدہ نمبر ۱۳ کا بظاہر کوئی فائدہ معلوم نہیں ہوتا کیونکہ زبر کے تنوین کا عام قاعدہ یہی ہے کہ وقفاً اس کو الف سے بدل دیتے ہیں جیسا کہ تیرھویں لمعہ کے فائدہ نمبر ے میں گزر چکا ہے، لیکن حق یہی ہے کہ اس فائدہ کی ضرورت تھی، اس لئے کہ ان دونوں کلموں کے آخر میں جو نون ہے وہ نونِ تنوین نہیں بلکہ نونِ خفیفہ ہے، کیونکہ نونِ تنوین اسموں کا خاصہ ہے اور یہ دونوں فعل ہیں، مگر ان کا نون عام دستور کے خلاف زبر کے تنوین کی صورت میں لکھا ہوا ہے، اس لئے اس بات کا احتمال تھا کہ کوئی شخص کلمہ کی اصل کا لحاظ کرتے ہوئے کہیں ان پر نون کے ساتھ وقف نہ کر دے۔ اس لئے مؤلف نے اس طرف اشارہ فرمایا ہے کہ وقف چونکہ رسم کے تابع ہے اور ان دونوں میں نونوں کی رسم الف سے ہے اس لئے یہاں وقف الف کے ساتھ ہوگا نہ کہ اصل کا اعتبار کرتے ہوئے نون کے ساتھ۔ متن میں جس تنوین کے پڑھنے سے روکا گیا ہے اس تنوین سے مراد نون ہی ہے، چونکہ دونوں کا تلفظ ایک جیسا ہوتا ہے اس لئے ایک کو دوسرے کی جگہ استعمال کر دیا ہے وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔ ۱۲

[۲۲] اس قاعدہ کے سمجھنے کے لئے مزید کسی وضاحت کی ضرورت نہیں، متن کی عبارت ہی

يَقۡبِضُ وَيَبۡصُۜطُ، دوسرا سورۂ اعراف میں فِي الۡخَلۡقِ بَصۜۡطَةً ان دونوں جگہ میں سین پڑھو، تیسرا سورۂ طور میں اَمۡ هُمُ الۡمُصَۜيۡطِرُوۡنَ اس میں چاہے سین پڑھو چاہے صاد پڑھو، چوتھا سورۂ غاشیہ میں بِمُصَيۡطِرٍ اس میں صاد پڑھو۔

فائدہ نمبر⑮ کئی مواقع قرآن مجید میں ایسے ہیں کہ لکھا ہوا تو ہے: لَاۡ اور پڑھا جاتا ہے: لَ، پڑھتے وقت ان کا بہت خیال[۲۳] رکھو:۔

ایک سورۂ آلِ عمران میں لَاۡاِلَى اللّٰهِ تُحۡشَرُوۡنَ، دوسرا سورۂ توبہ میں وَلَاۡاَوۡضَعُوۡا، تیسرا سورۂ نمل میں اَوۡ لَاۡ اَذۡبَحَنَّهٗ، چوتھا وَالصّٰٓفّٰتِ میں لَاۡاِلَى الۡجَحِيۡمِ، پانچواں سورۂ حشر میں لَاۡ اَنۡتُمۡ اَشَدُّ۔

اسی طرح سورۂ آل عمران کے پندرھویں رکوع میں لکھا ہوا ہے: اَفَاۡئِنۡ اور پڑھا جاتا ہے: اَفَئِنۡ۔ اور چند مقامات میں لکھا ہوا تو ہے: مَلَاۡئِهٖ اور پڑھا جاتا ہے: مَلَئِهٖ اور سورۂ کہف کے چوتھے رکوع میں لکھا ہوا تو ہے: لِشَاۡیۡءٍ اور پڑھا جاتا ہے: لِشَیۡءٍ اور بعض جگہ لکھا ہوا ہے: نَبَاۡئِ اور پڑھا جاتا ہے: نَبَئِ

تنبیہ: مذکورہ قاعدے اکثر تو وہ ہیں جن میں کسی کا اختلاف نہیں اور جن میں اختلاف ہے میں نے ان میں سے امام حفص[۲۴] رحمۃ اللہ علیہ کے قواعد لکھے ہیں۔ جن کی روایت

کافی واضح ہے۔۱۲

[۲۳] یعنی الف مت پڑھو، کیونکہ ان کلمات میں الف پڑھنے سے لفظ بالکل غلط ہو جاتا ہے۔۱۲

[۲۴] قرآن مجید کے بعض کلمات کو اللہ تعالیٰ کے حکم سے جناب رسول اللہ ﷺ نے کئی کئی طرح پڑھنے کی اجازت دی ہے، مثلاً:۔ مٰلِكِ يَوۡمِ الدِّيۡنِ کو مٰلِكِ اور مَلِكِ يَوۡمِ الدِّيۡنِ اور وَمَا يَخۡدَعُوۡنَ کو وَمَا يَخۡدَعُوۡنَ اور وَمَا يُخٰدِعُوۡنَ وغیرہ وغیرہ، جبکہ انہی

کے موافق ہم لوگ قرآن مجید پڑھتے ہیں، اور انہوں نے قرآنِ مجید حاصل کیا ہے :۔

* امام عاصم تابعی رحمہ اللہ تعالیٰ سے
* اور انہوں نے زِرُّ بْنُ حُبَيْش اَسَدِیُ رحمہ اللہ تعالیٰ اور عبداللہ بن حُبَیِّب سُلَمِیُ رحمہ اللہ تعالیٰ سے
* اور انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے
* اور ان سب حضرات نے جناب رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے۔

اختلافات کو اختلافاتِ قرارات کہتے ہیں، جن کو بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل کیا اور پھر اپنے شاگردوں کو پڑھایا اور پھر صحابہ رضی اللہ عنہم کے شاگردوں نے بھی آگے اس فن کو یعنی قرارات کے اختلافات کو اپنے شاگردوں تک پہنچایا۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین اور تابعین کرام رحمهُمُ الله سے جن لوگوں نے قرآن پڑھا اور بعد کے لوگوں کو پڑھایا یوں تو بہت اور بے شمار ہیں، لیکن ان میں سات ایسے مشہور اور ممتاز ہیں جن کو ساری دنیا جانتی ہیں۔ ان سات کو ائمہ قرارات یعنی قرارات کے امام کہتے ہیں۔ پھر ان سات میں سے ہر ایک کے بے شمار شاگرد ہوئے ہیں۔ لیکن دو دو شاگرد ہر امام کے ایسے مشہور اور لائق ہوئے ہیں کہ وہ بھی اپنے استادوں کی طرح ساری دنیا میں مشہور ہیں۔

ان سات اَئمہ میں سے ایک امام عاصم رحمہ اللہ تعالیٰ بھی ہیں۔ ان کے دو مشہور شاگردوں میں سے ایک :۔

* حضرت امام شعبہ رحمہ اللہ تعالیٰ
* اور دوسرے امام حفص رحمہ اللہ تعالیٰ ہیں

اگرچہ ان سب قاریوں کی قراءتیں اور ان کے شاگردوں کی رِوایتیں آج بھی دنیا میں پڑھی

خاتمہ

چاند کا پورا لمعہ بھی چودھویں رات کو ہوتا ہے اور یہاں بھی چودھویں لمعہ کے ختم پر سب مضامین پورے ہو گئے۔ اس لئے یہاں پہنچ کر رسالہ ختم کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ اس کو نافع اور مقبول فرماوے۔ طالب علموں سے، خصوص بچوں سے، خصوص قدوسیوں[25]

پڑھائی جاتی ہیں اور علماء نے ان میں کتابیں بھی لکھی ہیں، لیکن ان میں سب سے زیادہ مشہور حضرت حفص رحمۃ اللہ علیہ کی روایت ہے اور سارے جہان میں زیادہ تر یہی پڑھی پڑھائی جاتی ہے۔ پس مولانا نے یہ رسالہ انہی حضرت حفص رحمۃ اللہ علیہ کی روایت کے موافق لکھا ہے، اور جس کلمہ میں ان کا اور دوسرے قاریوں کا اختلاف ہے وہاں اسی روایت کے موافق لکھا ہے اور آگے حضرت حفص رحمۃ اللہ علیہ کی سند بیان کی ہے یعنی ان حضرات کے اسمائے گرامی بیان کئے ہیں جن کے ذریعہ ان کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن پہنچا ہے۔ اگرچہ اسماء گرامی زیادہ ہیں لیکن واسطے صرف تین ہیں:۔

① پس امام حفص رحمۃ اللہ علیہ شاگرد ہیں امام عاصم کوفی رحمۃ اللہ علیہ کے اور یہ پہلا واسطہ ہیں۔

② امام عاصم رحمۃ اللہ علیہ شاگرد ہیں حضرت زِرُّ بْنُ حُبَیْش اَسَدِیْ رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت عبداللہ بن حُبَیِّب سُلَمِیْ رحمۃ اللہ علیہ کے، اور یہ دونوں دوسرا واسطہ ہیں، کیونکہ امام عاصم رحمۃ اللہ علیہ نے ان دونوں ہی سے پڑھا ہے۔

③ پھر یہ دونوں شاگرد ہیں پانچ صحابہ کرام یعنی حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت زید بن ثابت، حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے۔ پس یہ پانچوں صحابہ تیسرا واسطہ ہیں اور باقی ظاہر ہے۔

[25] حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف نسبت ہے، جن کے متوسلین کی فرمائش پر مولانا نے یہ رسالہ تصنیف فرمایا ہے۔ جس کا ذکر خُطْبَۃُ الْکِتَاب میں ہے۔

سے مولیٰ کی دعاء [26] کا طالب ہوں۔

اشرف علی عفی عنہ ۵ صفر ۱۳۴۴ھ

[26] محشی پُرتقصیر ابو الاشرف بھی جملہ ناظرین سے بالعموم اور معلمین و متعلمین و دیگر خدامِ قرآن سے بالخصوص فلاحِ دارین اور حسنِ خاتمہ کی دعاء کا طالب ہے۔ امید ہے کہ ان حواشی سے استفادہ کرنے والے اور ان کا مطالعہ کرنے والے حضرات اپنی دعوتِ صالحہ میں اس ناچیز کو اور ساتھ ہی کتاب کے کاتبوں کو فراموش نہیں فرمائیں گے۔

تمّت بالخیر

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَصَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِهٖ سَیِّدِنَا وَمَوْلٰنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَاَزْوَاجِهٖ وَذُرِّیّٰتِهٖ وَاَهْلِ بَیْتِهٖ اَجْمَعِیْنَ وَارْحَمْنَا مَعَهُمْ بِرَحْمَتِكَ یَا اَرْحَمَ الرّٰحِمِیْنَ۔

۲۴ ذی الحجہ ۱۳۸۲ھ بروز یک شنبہ
بوقت ۱۲ بجکر ۵۵ منٹ (دوپہر)

تصحیح و تدوین و تزئین
خالد محمود
جمعۃ المبارک ۱۱ رمضان المبارک ۱۴۲۱ھ
مطابق ۸ دسمبر ۲۰۰۰ء
مکتبۃ القراءۃ لاہور
Re.25102007
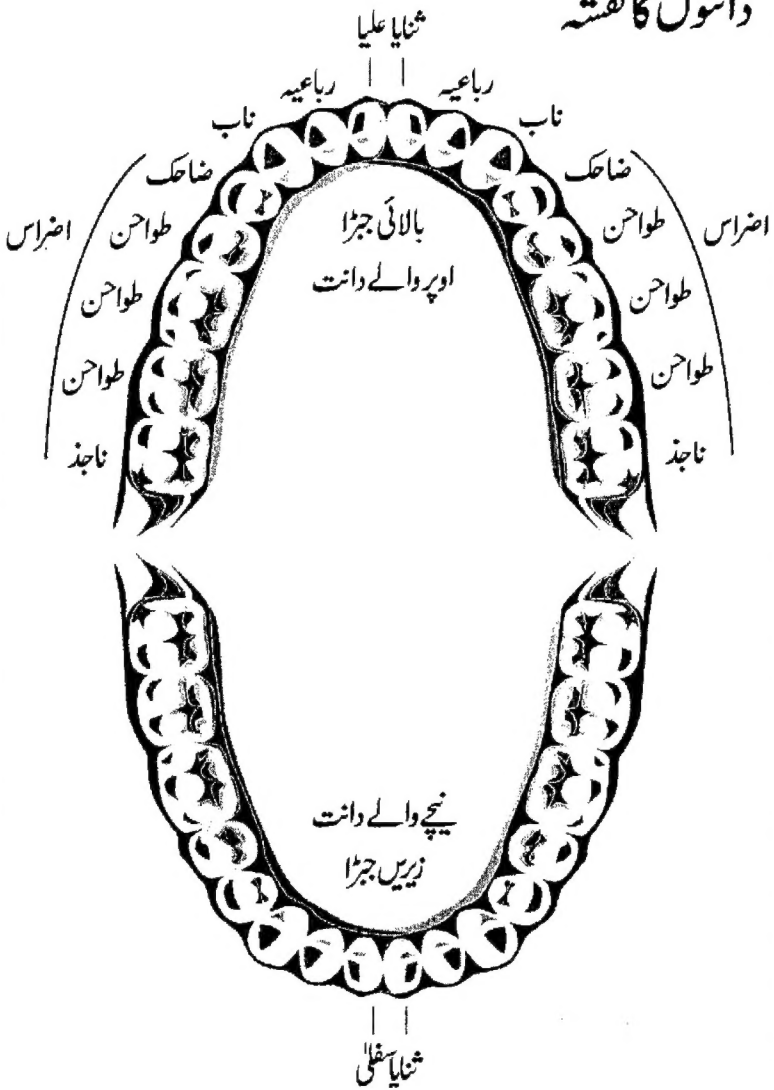
نوٹ : نیچے والے دانتوں میں سے چونکہ صرف ثنایا سفلیٰ والے ہی دو دانت استعمال ہوتے ہیں باقی کے نہیں، اسی لئے نیچے باقی دانتوں کے نام نہیں لکھے گئے۔
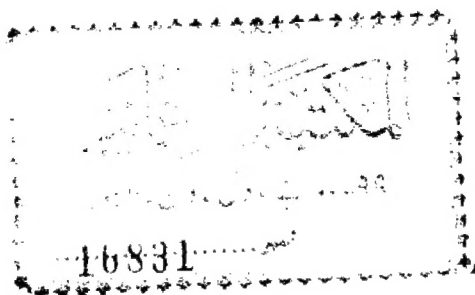
مکتبۃ القراءۃ کی دیگر مطبوعات

مکمل قرآنی قاعدۃ	قرآن کریم صحیح پڑھنے اور ہجوں پر عبور حاصل کرنے کیلئے ایک مفید ترین قاعدہ
زینت القرآن	نوآموز اور بچوں و بچیوں کیلئے تجوید کی آسان اور سادہ زبان میں بصورتِ اسباق انتہائی مفید کتاب
جمال القرآن مع حاشیہ ایضاح البیان (جمال القرآن کا بہترین حاشیہ اردو، پشتو اور فارسی زبانوں میں)	
معلم التجوید (اردو، پشتو، فارسی)	اساتذہ حضرات و طلبا کرام کیلئے سوال و جواب کی صورت میں تجوید کی ایک اعلیٰ اور کامل کتاب
فوائد مکیۃ مع حاشیہ توضیحات مرضیۃ (فوائد مکیہ کا بہترین حاشیہ اردو اور پشتو میں)	
جزریۃ مع تحفۃ الاطفال	المقدمۃ الجزریۃ اور تحفۃ الاطفال کا آسان اردو ترجمہ
شرح جزری (التقدمۃ الشریفیۃ فی شرح المقدمۃ الجزریۃ) یہ شرح جزری طلباء و اساتذہ تجوید کیلئے بے مثال علمی تحفہ ہے	
اجراء التجوید	علم تجوید کے مسائل کے اجراء کیلئے ایک اہم کتاب۔ طلباء و اساتذہ کیلئے فائدہ مند
جامع الوقف مع معرفۃ الوقوف (علم اوقاف و ابتداء کیلئے دو مختصر مگر جامع رسالے ایک ہی کتاب کی شکل میں)	
سبیل الرشاد فی تحقیق تلفظ الضاد (حرف ضاد کی درست ادا اور صحیح تلفظ کے سمجھنے کیلئے راہنما کتاب)	
قواعد ہجاء القرآن مع طریقۃ تعلیم الصبیان (مدرسین قرآن کریم کیلئے طریقہ تعلیم پر ایک راہنما اور مکمل دستور العمل)	
تلخیص المعانی (شرح شاطبیہ) عنایاتِ رحمانی شرح شاطبیہ کی جامع و مکمل اور آسان تلخیص ۔ اشعار کے رموز واضح اور شعر ایک ہی سطر میں نمایاں	
الیُسر (شرح طیبہ اردو میں)	الطیبۃ النشر فی القراءات العشر (اشعار کے رموز واضح اور شعر ایک ہی سطر میں نمایاں)
الزھرۃ (شرح طیبہ اردو میں)	الدرۃ المضیئۃ فی القراءات الثلاث (اشعار کے رموز واضح اور شعر ایک ہی سطر میں نمایاں)
القواعد الصرفیۃ	علم صرف کے طلباء و طالبات کیلئے صرف کے قاعدوں کو انتہائی آسان اور مختصر زبان میں پیش کیا گیا ہے

ناشران

مکتبۃ القراءۃ

143-B ماڈل ٹاؤن لاہور

فون نمبر 042-5853171

ملنے کا پتہ

المصباح / بک لینڈ

16- اردو بازار لاہور۔ فون 042-7223210

کی پلازہ، کالج روڈ، راولپنڈی فون 051-5773341